وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝

اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لائیں یہ بات اللہ تو پاک ہے یہ تو بڑا بہتان ہے

(النور ۱۶)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (صحیح مسلم)

آپؐ کا ارشاد ہے کہ کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی بات کافی ہے کہ جو کچھ وہ سنے بیان کر دے۔

حَدِیثِ حَوْأَب کا مصداق کون؟

مؤلف

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم۔اے۔

بار اوّل ——— سنہ ۱۹۹۷ء

تعداد ——— ۵۰۰ / پانچ سو

مؤلفہ ——— پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم اے

ناشر ——— قاضی چن پیر الہاشمیؒ اکیڈمی مرکزی جامع مسجد حویلیاں ہزارہ

کاتب ——— حفیظ الرحمٰن طاہر جبوال ایبٹ آباد

ضخامت ——— ۱۵۲ صفحات

قیمت ——— ۵۰/- روپے

ملنے کے پتے :

۱۔ قاضی چن پیر الہاشمیؒ اکیڈمی مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں

۲۔ بخاری اکیڈمی ، دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

انتساب

میں اس حقیر کاوش کو صدیقہ کائنات، فخر البیت، افضل نساء العلمین مفسرہ، محدثہ، فقیہہ، معلمہ، ام المؤمنین سیدہ ——— عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت صدیق اکبرؓ (متوفی ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ) جنہوں نے حیات دنیا اور اس کی زینت کو ٹھکرا کر اللہ، اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کو اختیار کیا ———

ابنائے امیر شریعت خصوصاً قاطع سبائیت وقادیانیت، فاتح ربوہ، فخر السادات سید عطاء المحسن حسنی قادری بخاری مدظلہ العالی ———

اپنے محترم ومشفق والد ماجد جناب قاضی چن پیر الہاشمی (متوفی ۳ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ) جن کی تعلیم وتربیت سے احقر اس ادنیٰ خدمت کے قابل ہوا ——— جملہ متلاشیان حق اور جذبہ دفاع صحابہؓ واہلبیتؓ سے سرشار مسلمانوں کے نام منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم اے

فہرستِ مضامین

عرضِ مؤلف

عزیز محترم محمد آصف صاحب متعلم مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ نے ایک تقریری مقابلہ (منعقدہ ۱۴ اگست سنہ ۱۹۹۷ء زیر اہتمام اشرف العلوم باغبانپورہ گوجرانوالہ) میں حصہ لیا، تو انہیں بطور انعام دیگر کتب کے علاوہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مفتی اعظم پاکستان کی اکیاون (۵۱) صفحات پر مشتمل ایک کتاب "عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت" بھی دی گئی۔ ستمبر میں جب وہ گھر آئے تو انہوں نے یہ کتاب راقم کو عنایت کردی۔

دراصل یہ مفتی صاحب کا ایک فقہی مقالہ اور فتویٰ ہے جو سنہ ۸۸ء کے انتخابات کے نتیجے میں محترمہ بے نظیر زرداری صاحبہ کے وزارتِ عظمیٰ کا منصب سنبھالنے کے بعد تحریر کیا گیا۔ مولانا محمود اشرف صاحب عثمانی اس کی اہمیت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مگر دورِ حاضر میں جہاں دین کے دوسرے متفق علیہ مسائل کو متنازع فیہ بنانے کی کوشش کی گئی۔ ۱۹۸۸ء میں بعض اندرونی اور بیرونی طاقتوں نے اپنے سیاسی اغراض کی وجہ سے جب ایک خاتونِ خانہ کو شمعِ محفل بنا کر پورے ملک کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں دینا چاہی تو اس کیلئے دینی دلائل مہیا کرنے کی لاحاصل سعی کی۔ اور دینی طور پر یہ ثابت کرنا چاہا کہ عورت کی سربراہی شرعاً جائز ہے۔

یہ موقف چونکہ قرآن وسنت اور اجماع امت کے صریح مخالف
تھا۔ اس لئے اسکی تحریری اور عملی تردید کیلئے علماء کرام نے فقہی مقالات لکھ کر حکم
شرعی واضح کیا۔ ان مقالات میں فقہی اعتبار سے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی
صاحب مدظلہم صدر جامعہ دارالعلوم کراچی کا مضمون عام فہم بھی تھا اور مدلل بھی۔ یہ
مضمون آج سے کئی سال قبل ۱۹۸۸ء میں ماہنامہ البلاغ اور روزنامہ جنگ میں
شائع ہوا تھا۔ اور اسے ملک کے تمام علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ طالبانِ
علم کو اپنے حوالہ جات کیلئے بکثرت اس مضمون کی ضرورت رہتی اور اس شمارہ البلاغ
کے نسخے اب دستیاب نہ تھے۔ اس لئے اس مضمون کو علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع
کرنے کی حاجت محسوس ہوئی۔ .... امید ہے کہ مضمون کی یہ اشاعتِ جدیدہ مفید
ثابت ہوگی"۔

(عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص ۳، ۴، تحت پیش لفظ طبع جدید ستمبر ۱۹۹۴ء)

یہ فقہی مقالہ اور فتویٰ ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ میں بھی حضرت
مولانا مفتی ولی حسن صاحب کے درج ذیل ادارتی نوٹ کے ساتھ شائع ہوا:

"عزیز محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی
نے علماء کے استفتاء پر ایک طویل فتویٰ مرتب کیا ہے۔ جس پر پاکستان بھر کے علماء
کرام تصدیق فرما رہے ہیں۔ "نقشِ آغاز" میں آپ کے اطمینان قلب کیلئے اس فتویٰ
کو اس لئے شائع کیا جا رہا ہے کہ آپ اپنے علاقے کے علماء کرام سے اس فتویٰ پر
تصدیق فرما کر ہمیں ارسال فرمائیں"۔

(ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ ص ۹، جنوری، فروری ۱۹۸۹ء)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ مذکورہ بالا فقہی مقالہ
ملک کے مختلف جرائد ورسائل اور اخبارات میں شائع ہو کر اہلِ علم سے دادِ تحسین وصول
کر چکا ہے پھر اسے ستمبر ۱۹۹۴ء میں طبع کرا کر ملک بھر میں عام کیا گیا۔ اہلِ مدارس
نے بھی اس کی اہمیت کے پیشِ نظر طلباء میں بطور انعام تقسیم کرنے کی غرض سے
اس کا انتخاب کیا۔

راقم دیگر علمی مشاغل میں مصروفیت کی وجہ سے فوری طور پر اس
کے مطالعے کا شرف حاصل نہ کر سکا۔ جس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ جس عنوان
پر مقالہ تحریر کیا گیا وہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لہٰذا اس موقف کے ساتھ
اتفاق کی وجہ سے اسے پڑھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی مگر بعد میں جب
مطالعہ کا موقع ملا تو حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔

جہاں تک عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت کا مسئلہ ہے تو
حضرت مفتی صاحب کے ساتھ مکمل اتفاق ہے اور ذرہ بھر بھی کوئی اختلاف نہیں لیکن
اس کتاب میں زیرِ عنوان "حضرت عائشہؓ اور جنگ جمل" از صفحہ نمبر ۳۵ تا صفحہ
نمبر ۴۴ بعض مندرجات کے ساتھ شدید اختلاف ہے۔ جن میں حضرت عائشہ
صدیقہؓ کی سخت توہین پائی جاتی ہے پھر زیادہ حیرت ان جید اور ممتاز
علماء کرام پر ہوئی جنہوں نے اس مضمون کی تصدیق و تائید کی۔ چنانچہ کتابِ مذکور کے
آخر میں "تصدیق کنندگان" کے تحت مندرجہ ذیل علماء کرام کے اسماء
گرامی درج ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب۔ ۲۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب

۳۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب ۴۔ حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی صاحب

۵۔ حضرت مولانا اطہر نعیمی صاحب

کتاب کے صرف چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں :

"حضرت عائشہؓ کا مقصد جنگ کرنا بھی نہیں تھا بلکہ جب آپ بصرہ جا رہی تھیں تو راستہ میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا۔ رات کے وقت وہاں کتے بھونکنے لگے۔ حضرت عائشہؓ نے لوگوں سے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مقامِ حوأب ہے۔ حوأب کا نام سنتے ہی حضرت عائشہؓ چونک اٹھیں انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یاد آگیا۔ آنحضرتؐ نے ازواجِ مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ایک دن فرمایا تھا۔ تم میں سے ایک کا اس وقت کیا حال ہوگا جب اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ حضرت عائشہؓ نے حوأب کا نام سنکر آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے اصرار کیا کہ مجھے واپس لوٹا دو......

اس کے باوجود چونکہ حضرت عائشہؓ نے خواتین کے مسلمہ دائرہ کار سے باہر نکل کر اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا اس لئے صحابہ کرامؓ اور خود دوسری امہات المؤمنینؓ کو آپ کا یہ اقدام پسند نہ آیا، اور متعدد صحابہؓ نے آپکو خطوط لکھے...... پھر بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ خود حضرت عائشہؓ بعد میں اپنے اس فعل پر انتہائی ندامت کا اظہار فرماتی رہی ہیں...... پھر جنگ جمل اور اس کے سفر پر حضرت عائشہؓ کی ندامت کا یہ عالم تھا کہ جب تلاوت قرآن کریم کے دوران وہ سورۂ احزاب کی اس آیت پر پہنچتیں جس میں اللہ تعالےٰ نے خواتین کو یہ حکم دیا تھا کہ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ کہ تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔ تو اس قدر روتی تھیں

کہ آپ کا دوپٹہ بھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ اور ندامت کی انتہا یہ ہے کہ شروع میں آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے۔ لیکن بعد میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے اب مجھے آپؐ کی دوسری ازواجِ مطہرات کے ساتھ دفن کرنا........

لیکن چونکہ ان کا یہ کام فی الجملہ ایک محدود سیاسی حیثیت کا حامل تھا۔ اس لئے صحابہ کرامؓ نے بھی اس کو پسند نہیں کیا اور وہ خود بھی انتہائی نادم ہوئیں یہاں تک کہ اس ندامت کی بناء پر روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تدفین کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ اب خود انصاف سے فیصلہ کر لیا جائے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے اپنے جس اقدام کو بالآخر خود غلط سمجھا، اس پر روتی رہیں اور اس پر ندامت کی وجہ سے تدفین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے سے بھی شرمائیں اس عمل سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟ ——— (حوالہ مذکور ص۳۶، ۴۴)

حضرت عائشہؓ پر علماء اہلسنت کی اس "فردِ جرم" کے بعد اہل تشیع کے ترجمانِ اعظم غلام حسین نجفی کا موقف ملاحظہ فرمائیں :

"بوقتِ موت جنگ جمل کا عائشہ کے گلے میں پھنس جانا بی بی جی کے غلطی پہ ہونے کی ٹھوس دلیل ہے۔ بوقتِ موت جنابِ عائشہ بہت گھبرائیں اور بے چین و بے قرار ہوئیں۔ پوچھا گیا اماں جی کیا بات ہے؟ بی بی جی فرمانے لگیں میرے حلق میں جنگ جمل کا دن اٹک اور پھنس گیا ہے۔ ——— جنگ جمل کا وقتِ موت بی بی جی کے گلے میں پھنس جانا اس بات کی ٹھوس دلیل ہے کہ یہ جنگ

کمی واقع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بلند مقام عطا کیا ہوا ہے۔ لیکن ان کی قرارداد فردِ جرم سے جو عظیم شخصیت مطعون و متہم اور مجروح ہوئی ہے ان کے مقام و مرتبہ اور عظمت و رفعت کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے یہ تو وہ شخصیت ہے جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی سیدہ فاطمہؓ سے فرمایا تھا یا

بنیّة الا تحبین ما احب قالت بلیٰ قال فاحبّی ھٰذہ" (صحیح بخاری) اے بیٹی جس سے میں محبت کرتا ہوں کیا آپ اس سے محبت نہیں کرتیں۔ جواب دیا کیوں نہیں آپؐ نے فرمایا پھر عائشہؓ سے محبت رکھو۔

حضرت عائشہؓ تو وہ برگزیدہ ہستی ہیں جنکے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت عجیب بات پر حضرت امّ سلمہؓ سے فرمایا تھا:

یا ام سلمة لا تؤذینی فی عائشة فانّه واللّٰه ما نزل علیّ الوحی وانا فی لحاف امرأة منکن غیرھا" (صحیح بخاری)

اے ام سلمہؓ مجھے عائشہؓ کے بارے میں اذیت مت دو کیونکہ اللہ کی قسم مجھ پر عائشہؓ کے سوا کسی بیوی کے بستر پر وحی نازل نہیں ہوئی۔

اور یہ تو وہ شخصیت ہے جن کا دفاع کرتے ہوئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسرِ منبر اعلان فرمایا تھا۔

یا معشر المسلمین من یعذرنی من رجل قد بلغنی عنه اذاہ فی اھلی واللّٰه ما علمت علیٰ اھلی الّا خیرًا۔ (صحیح بخاری)

اے گروہ مسلمین! اس شخص سے کون بدلہ لیتا ہے جس کی طرف سے مجھے عائشہؓ کے سلسلہ میں اذیت پہنچی۔ اللہ کی قسم میں عائشہؓ کے متعلق خیر کے

علاوہ کچھ نہیں جانتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پُر درد، پُر سوز، اور پُر تاثیر صدا آج بھی فضا میں گونج رہی ہے اگر کسی کی قوتِ سماعت اس کا ساتھ نہیں دے سکتی تو وہ صحیح بخاری باب الافک میں بچشم خود ملاحظہ کر سکتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب خدارا! اس اہم ترین، حساس ترین اور نازک ترین معاملے کی طرف توجہ دیجیئے۔ اپنے مضمون کو تنہائی میں کم از کم اسی تکرار کے ساتھ پڑھیئے جس تکرار کے ساتھ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ندامت و شرمندگی کا اظہار کرایا ہے۔ معلوم نہیں کہ "حیاتِ مستعار" کے کتنے دن باقی ہیں تاہم یہ تو واضح ہی ہے کہ آپ عمر کے جس مرحلے میں ہیں وہ چل چلاؤ کا دور ہے۔ اور "بلاوا" کسی وقت بھی آسکتا ہے۔ ویسے راقم کی دعا یہ ہے کہ باری تعالیٰ آپ کو تا دیر زندہ و سلامت رکھے اور آپ کو دینِ متین کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق عنایت کرے۔ لہذا آپ کی خدمت اقدس میں ایک بہی خواہ، ایک ہمدرد، ایک طالب علم اور ایک عزیز کی حیثیت سے استدعا ہے کہ اپنے مضمون کے زیر بحث قابلِ اعتراض حصے سے "رجوع" فرمالیں۔

یہ "رجوع" گو آپ کے ذاتی وقار اور علمی انا کے خلاف ہوگا لیکن آنے والی نسلوں پر آپ کا احسانِ عظیم ہوگا اور راقم آثم کو قوی امید ہے کہ آپ کی سعادت اخروی کا ضرور باعث بنے گا۔ ——— بصورتِ دیگر جہاں آنے والی نسل حضرت عائشہؓ کے متعلق سوءِ ظن کا شکار ہوگی وہاں ام المؤمنینؓ کے خلاف یہی مواد اہل تشیع کی جانب سے بطورِ ثبوت پیش کیا جائے گا جیسا کہ اس سے

جناب عائشہؓ کی ایسی غلطی ہے کہ جس کی معافی انہیں خدائے رحیم نے وقتِ موت تک نہیں دی۔" (لغاوتِ بنو امیہ، ص۴۳۳)

دونوں موقف قارئین کے سامنے ہیں" اب خود انصاف سے فیصلہ کر لیا جائے" کہ کیا حضرت مفتی صاحب کے موقف سے اہل التشیع کے موقف کی تائید نہیں ہوتی؟ کیا موصوف کا پیش کردہ موقف حضرتِ عائشہؓ کی توہین پر مبنی نہیں ہے؟ کیا مفتی صاحب کے الفاظ" انتہائی ندامت، ندامت کا عالم یہ تھا، اور ندامت کی انتہا یہ ہے" سے حضرت عائشہؓ کے فعل پر نکیر نہیں ہوتی؟

کیا جناب مفتی صاحب کا یہ معلوم ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کے متعلق یہ کہہ سکیں کہ انہوں نے خواتین کے مسلمہ دائرہ کار سے قدم باہر نکالا تھا؟

کیا خود حضرتِ عائشہؓ خواتین کے مسلمہ دائرہ کار سے آگاہ نہیں تھیں؟

کیا مفتی صاحب حضرت عائشہؓ کو یہ الزام دے سکتے ہیں کہ انہوں نے اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا؟

کیا حضرت عائشہؓ کا اقدام غلط تھا؟

کیا حضرت عائشہؓ نے اپنے اقدام کو خود غلط سمجھا تھا؟

کیا حضرت عائشہؓ نے بدعت کا ارتکاب کیا تھا؟

کیا اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے روضہ اطہر میں تدفین سے منع کیا تھا؟

کیا حضرت عائشہؓ نے آیت" وقرن فی بیوتکن" کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی؟

کیا حضرت عائشہؓ نے فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تھی؟

کیا حضرت عائشہؓ نے پردہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چاک کیا تھا؟

کیا حضرت عائشہؓ صحراؤں میں اپنی اونٹنی ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ تک دوڑاتی رہیں؟

کیا حضرت عائشہؓ نے صحابہ کرامؓ کو جہاد کرنے سے منع کر دیا تھا؟

مگر وائے افسوس! کہ مفتی صاحب اور جملہ تصدیق کنندگان نے حضرت عائشہؓ کے متعلق مذکورہ بالا جملہ امور کی تصدیق و تائید کر دی۔ (فلیبک علی الاسلام من کان باکیا)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بصرہ کا سفر آیتِ رضوان و بیعتِ رضوان کے پیش نظر خلیفہ سوم شہید مظلوم حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے قصاص کے جائز مطالبے کی تقویت، قرآنی حکم کے نفاذ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت حفاظتِ دین اور اطفاء فتنہ سبائیت جیسے عظیم دینی مقصد کے تحت شرعی احکام کے عین مطابق باپردہ اور محارم کے ساتھ اختیار فرمایا تھا۔ کیونکہ آں معظمہؓ اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھیں کہ وحشی بلوائیوں اور خون آشام سبائیوں کے اقدام قتلِ عثمانؓ سے جہاں فتنہ کا ایک مستقل دروازہ کھل گیا ہے وہاں یہ خطرہ بھی لاحق تھا کہ آئندہ بھی غنڈے، اوباش اور فسادی عناصر جب چاہیں گے خلیفہ وقت کے خون سے ہاتھ رنگ کر شیرازۂ ملت کو منتشر اور نظم امت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیں گے۔ لہٰذا راقم نے زیر نظر کتاب میں اپنی تمام تر نا اہلیوں، کمزوریوں اور نالائقیوں کے باوجود جناب مفتی صاحب کے موقف کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے دفاع کا فریضہ ادا کیا ہے۔

اس اختلاف سے حضرت مفتی صاحب کی شان میں یقیناً کوئی

پہلے ہوتا چلا آرہا ہے۔

اہل علم اور سلف صالحین کا شیوہ بھی یہی ہے کہ جب بھی ان پر حق بات واضح ہوئی تو انہوں نے فوراً بلا تاخیر اپنے سابقہ موقف سے رجوع کرلیا۔ اس سلسلہ میں ماضی قریب کی ایک مثال اور پھر اپنے گھر کی مثال پر بھی آپ غور فرمالیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب "زاد السعید" اور "نشر الطیب" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا نقشہ اور اس کے فضائل و برکات کا ذکر کیا لیکن کافی عرصہ بعد جب انہیں اس کے مفاسد کی طرف توجہ دلائی گئی تو حضرت موصوفؒ نے وضاحت فرمائی کہ:

"اب بحمد اللہ دوسرے علماء کی تحریر سے بھی میرے مقصود کی تائید ہو گئی پس کسی کو غلو کی گنجائش نہیں رہی۔ اور اس مفصل و مکمل تحقیق کے بعد احقر کی تحریرات میں باہم بھی اور دوسرے حضرات اہل تحقیق کی تحریر سے تو تعارض کا احتمال نہیں ہو سکتا لیکن اگر اب بھی کسی کے خیال میں تعارض کا شبہ ہو تو اس کیلئے میں اعلان کررہا ہوں کہ دوسرے حضرات کی تحقیق پر عمل کیا جائے اور میری تحریر کو مجروح بلکہ مجروح و ممنوع عنہ بلکہ مرجوع عنہ سمجھا جاوے۔ فقط۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ"

(کفایت المفتی ص۴۲ و امداد الفتاوی ص ۳۷۵/۴، ۳۷۶، بحوالہ ماہنامہ حق چاریارؓ)

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب نے حضرت تھانویؒ کے اس رجوع سے عدم تحقیق کی بناء پر موصوف کا وہی سابقہ مؤقف اپنے ایک خطبے میں پیش کردیا کہ:

اس رسالے (زاد السعید) میں حضرت تھانویؒ نے ایک کام کی چیز اور ایک نعمت اور دی گئی ہے وہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا نقشہ۔ اس نقشے کے بارے میں بزرگوں کا تجربہ یہ ہے کہ سخت مصیبت بیماری اور پریشانی کی حالت میں اگر نعلین مبارک کے اس نقشے کو اپنے سینے پر رکھ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے پریشانی اور مصیبت کو دور فرمادیتے ہیں اس لئے کوئی گھر اس رسالے سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔" (اصلاحی خطبات ص ۹۵/۶)

پھر جب آں محترم کو بتایا گیا کہ حضرت تھانویؒ نے عوام کی اصلاح کے پیش نظر اس سے رجوع فرمالیا ہے۔ تو مولانا تقی عثمانی صاحب اور اصلاحی خطبات کے مرتب مولانا عبداللہ میمن صاحب دونوں نے یقین دہانی کرائی کہ "تصحیح والے نسخے میں اس کو قلم زد کردیا ہے، جدید طباعت میں اس کو نکال دیا جائے گا....

.... دوسرے ایڈیشن میں اس کو حذف کردیا جائیگا۔" (حوالہ مذکور ص ۴۳)

زیر نظر کتاب میں "حدیث حوأب" کا روایتاً و درایتاً تجزیہ کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ:

۱۔ مسند احمد اور مستدرک کی روایت جو قیس بن ابی حازم سے مروی ہے خبر واحد غریب ہونے کے ساتھ ساتھ خود راوی میں اوصاف مردودیت پائے جانے کی وجہ سے قابل رد ہے۔ کیونکہ راوی موصوف پر بعض محدثین نے تنقید کی ہے۔ انہیں ضعیف منکر الروایت، اور ساقط الحدیث کہا ہے۔ بالخصوص ان کی زیر بحث حدیث "کلاب حوأب" کی صحت میں کلام کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب تحت قیس بن ابی حازم)

۲۔ طبری میں مروی روایت کے راوی ضعیف، مجہول الحال، مجہول النسب اور

رافضی ہیں۔

۳۔ اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہے تو پھر اس کی مصداق حضرت عائشہ صدیقہؓ ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ ام زمل سلمٰی بنتِ مالک ہے۔ جس نے ارتداد اختیار کر کے عہدِ صدیقی میں حوأب کے مقام پر تمام اسلام دشمن قوتوں کو جمع کر کے حضرت خالد بن ولیدؓ کے لشکر کا مقابلہ کیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قتل کر دی گئی۔ مزید تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ زیرِ نظر کتاب کا مطالعہ یکسوئی، دل جمعی اور قرآن مجید کی درج ذیل آیات کی روشنی میں کریں:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ...... (النساء نمبر ۱۳۵)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ... (المائدہ نمبر ۸)

اے ایمان والو مضبوط کھڑے ہو انصاف کے ساتھ گواہ بن کر اللہ کے اگرچہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو......

اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں بے انصافی پر آمادہ نہ کرے۔ انصاف ہی کرو کہ یہ قریبِ تقویٰ ہے۔

امید واثق ہے کہ قارئین کرام کو اس کتاب کے مطالعہ سے زیرِ بحث مسئلہ کے متعلق کامل سکون اور اطمینانِ قلب حاصل ہوگا۔

راقم الحروف جملہ احباب و معاونین کا بے حد ممنون اور شکر گذار ہے جنکے مخلصانہ تعاون سے زیرِ نظر کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی

آخر میں باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری غلطیوں اور لغزشوں کو معاف کرے اور اس حقیر کاوش کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اسے امتِ مسلمہ کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

پروفیسر قاضی **محمد طاہر علی الہاشمی** ایم اے
خطیب مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہؓ چوک
حویلیاں ہزارہ

حدیثِ حوأب کا مصداق کون؟

کتب حدیث و تاریخ میں ایک روایت پائی جاتی ہے۔ جسکی رو سے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ و طاہرہؓ کو مطعون کیا جاتا ہے کہ آں معظمہؓ کا قصاص عثمانؓ کی خاطر بصرہ کا سفر اختیار کرنا جو جنگ جمل کا باعث بنا غلط تھا یہ حضرات اپنے مؤقف کی تائید میں درج ذیل روایت پیش کرتے ہیں:

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا یحیی عن اسمٰعیل حدثنا قیس قال لما اقبلت عائشۃ بلغت میاہ بنی عامر لیلاً نبحت الکلاب قالت ای ماءٍ ھٰذا قالوا ماء الحوأب قالت ما اظننی الا انی راجعۃ وقال بعض من کان معھا بل تقدمین فیراک المسلمون فیصلح اللہ عزوجل ذات بینھم۔ قالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لھا ذات یوم کیف باحداکن ینبح علیھا کلاب الحوأب "

(مسند احمد ص ۵۲ ج ۶)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ اس طرح آئے ہیں:

.........قالت ما اظننی الا راجعۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لنا ایتکن تنبح علیھا کلاب الحوأب فقال لھا الزبیر ترجعین عسی اللہ ان یصلح بک بین الناس۔ (مسند احمد بن حنبل ص ۹۷ ج ۶)

امام حاکم نیشاپوری متوفی سنہ ۴۰۵ھ بالفاظ ذیل روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابو عبداللہ محمد بن یعقوب الحافظ ثنا محمد بن عبد الوھاب

العبدی ثنا یعلی بن عبید ثنا اسمٰعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم قال لما بلغت عائشۃ بعض دیار بنی عامر نبحت علیھا الکلاب فقالت ای ماء ھٰذا قالوا الحوأب قالت ما اظننی الا راجعۃ فقال الزبیر لا بعد تقدمی ویراک الناس ویصلح اللہ ذات بینھم قالت ما اظننی الا راجعۃ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کیف اِحداکن اذا نبحتھا کلاب الحوأب۔

(المستدرک ص ۱۲۰ ج ۳)

اسی مفہوم میں یہ حدیث درج ذیل کتب میں بھی آئی ہے۔

صحیح ابن حبان ص ۲۵۹ ج ۹، موارد الظمآن ص ۴۵۳، زرقانی شرح مواھب ص ۲۴۸ ج ۷، مجمع الزوائد ص ۲۳۴ ج ۷، ازالۃ الخفاء فصل پنجم بیان فتن ص ۵۹۳ ج ۱ مؤلفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، تحفہ اثنا عشریۃ ص ۶۳۴ مؤلفہ شاہ عبد العزیز

حضرت عائشہؓ جب مکہ سے بصرہ روانہ ہوئیں دوران سفر جب رات کے وقت بنو عامر کی آبادی میں پہنچیں تو کتے بھونکے۔ دریافت فرمایا یہ کون سی جگہ ہے؟ بتایا گیا کہ یہ "حوأب" ہے۔ فرمایا میرا خیال ہے کہ مجھے یہیں سے واپس لوٹنا ہے۔ آپ کے بعض ہمراہیوں نے کہا کہ نہیں آپکو آگے چلنا چاہیئے آپ کو دیکھ کر مسلمان متفق ہو جائیں گے اس طرح آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حالت کی اصلاح فرما دیں گے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا تھا "تم میں سے ایک کی کیا حالت ہو گی جبکہ اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے"۔

یہ ہے وہ حدیث جس کی رو سے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو اپنے

اقدام پر نادم و خاطی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ مؤرخین نے اس پر حاشیے چڑھا کر اُم المؤمنین عائشہ معظمہ رضؓ پر خوب "تبرا" کیا ہے۔

قدیم شیعہ مؤرخ احمد بن ابی یعقوب متوفی سنہ ۲۵۶ھ لکھتا ہے کہ:

راستہ میں حوأب کے مقام پر قافلہ پہنچا تو حضرت عائشہؓ نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ پوچھا یہ کون سا چشمہ ہے؟ معلوم ہو حوأب یہ سنکر فرمایا مجھے یہیں سے واپس کردو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم ان میں سے نہ ہونا جن پر حوأب کے کتے بھونکیں گے"۔ لیکن چالیس آدمیوں نے قسم کھاکر شہادت دی کہ یہ حوأب کا چشمہ نہیں ہے اس وقت عائشہؓ آگے بڑھیں۔ (تاریخ یعقوبی ص۲۱۰ ج ۲)

ابن جریر طبری متوفی سنہ ۳۱۰ھ لکھتے ہیں کہ:

...... چلتے چلتے ہم حوأب کے چشمے پر پہنچے تو وہاں کے کتے ہمیں دیکھ کر بھونکنے لگے ...... حضرت عائشہؓ زور سے چیخیں ...... پھر فرمایا اللہ کی قسم حوأب کے کتوں والی میں ہوں۔ اے لوگو مجھے واپس لے چلو۔

(تاریخ طبری اردو، خلافت راشدہ حصہ سوم ص۴۳)

امام المؤرخین مسعودی متوفی سنہ ۳۴۶ھ لکھتے ہیں کہ:

اس قافلے کے وہاں (حوأب پر) پڑاؤ ڈالتے ہی کتے بھونکنے لگے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا اس جگہ کا کیا نام ہے؟ ساربان بولا اسے حوأب کہتے ہیں یہ سنتے ہی آپ نے وہاں سے واپسی کا قصد فرمایا ...... اس پر زبیر نے کہا میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ جگہ حوأب نہیں ہے ......

اس کے بعد طلحہؓ بھی جو لوگوں کے بیچ میں تھے باہر آئے اور آپ سے بولے میں بھی خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ یہ جگہ حوأب نہیں ہے۔ طلحہؓ اور زبیرؓ دونوں نے اپنے اپنی بات کی۔ اپنے پچاس ساتھیوں سے گواہی بھی دلائی۔ یہیں سے اسلام میں جھوٹی گواہی کی ابتدا ہوئی تھی۔

(تاریخ مسعودی اردو ص۲۹۵ ج ۱، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:

رفتہ رفتہ چشمہ حوأب پر پہنچے اور کتوں نے بھونکنا شروع کیا ...... ام المؤمنین عائشہؓ نے سنتے ہی ارشاد کیا" مجھ کو لوٹاؤ لوٹاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس وقت آپؐ کے پاس آپؐ کی بیویاں بیٹھی ہوئی تھیں کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم میں سے کس کو دیکھ کر حوأب کے کتے بھونکیں گے ......

(تاریخ ابن خلدون ص۴۸۳ ج ۱، البدایۃ والنہایہ ص۲۳۱ ج ۷، سیر اعلام النبلاء ص۱۷۷ ج ۲، تاریخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی ص۳۹۰ ج ۱، سیرت النبیؐ ص۶۰۹ ج ۳، مؤلفہ علامہ سید سلیمان ندوی تحت اخبار غیب و سیرت عائشہ صدیقہ ص۱۳۹، وفات عائشہ ص۵۲، ۶۶، تاریخ اسلام ص۴۰ مؤلفہ بشیر انصاری ٹیکسلا، مصباح الظلم ص۳۹۵ مؤلفہ نواب امداد)

جبکہ ابن ابی الحدید نے بروایت ابومخنف یہ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے ام المؤمنین کے بصرہ جانے کو سنکر ہی کہہ دیا تھا کہ یہ وہی ہے جس پر "الحوأب" کے کتے بھونکیں گے۔

(شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید الشیعی المعتزلی متوفی سنہ ۶۵۶ھ)

جن کتب حدیث و سیر میں حدیث "حوأب" نقل ہوئی ہے

ان میں سے اکثر کا مآخذ مسند احمد ہی ہے۔ امام احمد اس کتاب کی اپنی زندگی میں ترتیب و تبویب نہیں کر سکے تھے۔ موصوف نے وفات سے پہلے اس کے مسودے کو صرف اپنے تینوں بیٹوں یا دو بیٹوں اور ایک بھتیجے کو جمع کر کے سنایا۔ اس سماع میں ان کے علاوہ کوئی اور شریک نہیں تھا۔ اس کتاب میں تقریباً تیس ۳۰ ہزار احادیث ہیں جنہیں امام احمد نے ساڑھے سات لاکھ سے زائد احادیث سے جمع و منتخب کیا ہے۔

موجودہ مسند میں امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ نے تقریباً دس ہزار احادیث کا اضافہ کیا۔ اسی طرح عبداللہ بن احمد سے مسند کے روایت کنندہ ابوبکر قطیعی نے بھی اضافے کئے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ بزرگ اگر تقیہ باز نہیں تھے تو شیعیت کے متعلق نرم گوشہ ضرور رکھتے تھے۔ (صدیقہ کائنات صفحہ ۱۹۰)

محدث شیخ احمد البناء فتح الربانی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

چھٹی قسم کی وہ حدیثیں ہیں جنکو حافظ ابوبکر قطیعی نے عبداللہ اور ان کے والد امام احمد کے سوا دیگر راویوں سے روایت کیا ہے" ان میں ایک نام ابوبکر شافعی کا بھی ملتا ہے۔ جن کے متعلق دنیائے شیعیت کا مشہور علامہ شیخ حلّی لکھتا ہے کہ:

بظاہر شافعی فقہ پر چلتا تھا۔ مگر باطن میں شیعہ امامیہ تھا دونوں مذاہب کا فقیہ تھا اور دونوں مذاہب پر اس کی کتابیں ہیں۔ (خلاصۃ الاقوال صفحہ ۲۰۰)

مسند احمد میں شمولہ احادیث کے بارے میں علماء کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اس میں صحیح، ضعیف اور موضوع سب قسم کی روایات ہیں۔ ابن جوزی نے انتیس ۲۹ احادیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ حافظ عراقی نے

مزید ۹ احادیث کو موضوع ٹھہراتے ہوئے کہا ہے کہ مسند میں ضعیف احادیث تو یقیناً موجود ہیں بلکہ احادیثِ موضوعہ بھی ہیں۔ جنکو میں نے ایک جزء میں یک جا کر دیا ہے۔ امام احمد کے بیٹے عبداللہ نے مسند میں جو اضافے کئے ہیں اس میں ضعیف اور موضوع سب قسم کی روایات موجود ہیں۔ (تدریب الراوی صفحہ ۵۶)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ:

امام احمد کے بیٹے عبداللہ اور ابوبکر قطیعی نے جو زیادات کی ہیں ان میں موضوع احادیث تک موجود ہیں۔ بعض جاہل لوگوں نے ان کو امام احمد کی مرویات سمجھا حالانکہ یہ احادیث ان کی اپنی روایت سے نہیں ہیں۔

(منہاج السنۃ بحوالہ تاریخ حدیث و محدثین صفحہ ۵۰۲، مؤلفہ استاد محمد ابوزہرہ، مترجمہ)

اگرچہ حافظ ابن حجر العسقلانی اور حافظ سیوطی نے حافظ عراقی اور ابن جوزی کے اعتراضات کا جواب دیا ہے لیکن اس کے باوجود ابن حجر نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ "مسند میں کوئی حدیث بے اصل نہیں سوائے تین یا چار کے۔ مگر احتمال ہے کہ امام احمد نے کاٹ کر نکالنے کی وصیت کی ہو۔ جو سہواً رہ گئی ہوں یا کاٹ کر نیچے لکھ دیا ہو۔ بہر حال اصل کتاب سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔" (محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے صفحہ ۱۳۵)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ مسند احمد میں صحیح حسن اور ضعیف ہر طرح کی احادیث موجود ہیں۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ آیا مسند میں کوئی موضوع حدیث بھی ہے یا نہیں۔ ابن جوزی اور حافظ عراقی نے اڑتیس موضوع احادیث کی نشان دہی کی ہے۔

مسندِ احمد کی زیر بحث حدیث حوأب اسمٰعیل بن ابی خالد کے
واسطے سے قیس بن ابی حازم سے مروی ہے۔ قیس پر بعض محدثین نے تنقید بھی کی
ہے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں کہ:

قال یحیٰی بن ابی غنیۃ ثنا اسمٰعیل بن ابی خالد قال کبر قیس حتٰی
جاز المائۃ بسنین کثیرۃ حتٰی خرف وذھب عقلہ ..... وقال ابن المدینی
قال لی یحیٰی بن سعید قیس بن ابی حازم منکر الحدیث ثم ذکر لہ یحیٰی احادیث
مناکیر۔ منھا حدیث کلاب الحوأب"

(تہذیب التہذیب ص۳۸۷ تحت قیس بن ابی حازم)

یحیٰی بن ابی غنیۃ اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کرتا ہے
کہ قیس کی عمر ایک سو سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ آخر
میں سٹھیا گئے۔ اور ان کی عقل جاتی رہی۔ اور ابن المدینی بحوالہ یحیٰی بن سعید القطان
نے انہیں منکر الروایت کہا ہے۔ اس کے بعد یحیٰی بن سعید نے ان کی بہت
سی منکر روایات کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک حدیث حوأب کے کتوں والی
بھی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس حدیث کو حادثہ اول
جنگ جمل" کے تحت لاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حادثہ کی
خبر دی ہے جس کی روایت خبر واحد غریب ہے۔ ابو یعلیٰ نے قیس بن ابی حازم
سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے حضرت عائشہؓ کا گزر بنی عامر کے ایک چشمہ
پر ہوا جس کا نام حوأب تھا۔ اور وہاں کتوں نے بھونکنا شروع کیا۔ حضرت

عائشہؓ نے پوچھا کہ یہ کون سا مقام ہے؟ لوگوں نے کہا بنی عامر کا ایک چشمہ ہے یہ سنتے
ہی حضرت عائشہؓ نے کہا "ردونی، ردونی" مجھے واپس لے چلو میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ ہم لوگوں سے فرماتے تھے کہ کیا حال ہوگا تم میں
سے کسی ایک کا جب اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔

(ازالۃ الخفاء مترجمہ مولانا عبدالشکور لکھنوی ص۵۹۳ ج ۱)

اس میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ یہ حدیث "خبر واحد غریب"
ہے۔ اصول حدیث کی مشہور درسی کتاب "شرح نخبۃ الفکر" میں خبر واحد کے
متعلق بتایا گیا ہے کہ لغۃً خبر واحد وہ ہے جسے ایک ہی شخص روایت کرے اور
اصطلاحاً وہ ہے جس میں متواتر کی کل شرائط موجود نہ ہوں ـــــ اخبار آحاد
مقبول بھی ہوتی ہیں اور مردود بھی اس لئے کہ ان کا واجب العمل ہونا ان کے راویوں
کے حالات پر مبنی ہے۔ اگر راویوں میں قبولیت کے اوصاف موجود ہیں۔ تو واجب
العمل سمجھی جائیں گی اور اگر ان میں مردودیت کے اوصاف موجود ہیں تو متروک
العمل سمجھی جائیں گی۔

زیر بحث حدیث کے راوی قیس بن ابی حازم میں اوصاف
مردودیت موجود ہیں کیونکہ وہ ضعیف، منکر الروایت اور ساقط الحدیث ہے علاوہ
ازیں محدثین عظام نے خصوصیت کے ساتھ اس کی مروی "حدیث حوأب" کی صحت
میں بھی کلام ہے۔ لہٰذا اصولاً اور روایۃً و درایۃً بھی یہ حدیث قابل استدلال
نہیں ہے۔

"حدیثِ مستدرک"

زیرِ بحث حدیث کا دوسرا مآخذ امام حاکم نیشاپوری کی "المستدرک" ہے۔ اس حدیث کے راوی بھی قیس بن ابی حازم ہیں۔ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے علاوہ ازیں خود امام حاکم متوفی ۴۰۵ سنہ ھ بھی قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ امام ابن حجر ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ :

"هو شيعي مشهور بذلك" وہ مشہور شیعہ ہے ابوطاہر نے کہا کہ میں نے ابو اسماعیل عبداللہ انصاری سے حاکم کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے "امام فی الحدیث رافضی خبیث...... قلت ان الله یحب الانصاف ما الرجل برافضی بل شیعی فقط" حدیث کا امام اور خبیث رافضی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے حاکم رافضی نہیں صرف شیعہ تھا۔

(لسان المیزان ص۲۳۲ ج ۵)

اہلِ تشیع کے نزدیک بھی حاکم شیعہ ہے چنانچہ شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ :

وهو من ابطال الشيعة وسدنة للشريعة " یہ شیعہ اکابرین میں سے ہیں۔ اور ان کی شریعت کے ستون ہیں۔ یمیل الی التشیع صرح جمیع من الفریقین بتشیعہ ؛...... اس کا میلان شیعیت کی طرف تھا۔ شیعہ، سنّی دونوں اس کے تشیع کی تصریح کرتے ہیں ؛ ــــ کان شدید التعصب فی الباطن ــــ وکان منحرفا عن معاویة وآله متظاهرًا بذلك ولا یعتذر منه" یہ باطنی طور پر متعصب شیعہ تھا۔ معاویہؓ اور ان کی آل سے اعلانیہ طور پر منحرف تھا اور اس کا کوئی عذر اس کی طرف سے نہیں کیا گیا۔

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ شیعہ ہے رافضی نہیں کاش وہ مستدرک نہ لکھتا۔ وذکرہ ابن شهر اشوب فی معالم العلماء وصاحب الریاض فی القسم الاول فی عداد الامامیة علیٰ مانقل عنهما " ابنِ شہر آشوب نے معالم العلماء میں اس کا ذکر کیا اور صاحب الریاض نے قسم اول میں اس کا تذکرہ کیا، جہاں اس نے شیعہ علماء کی تعداد بیان کی ہے۔ یہی ان دونوں سے منقول ہے۔

(الکنی والالقاب ص۱۷۰ ج ۲ مؤلفہ شیخ عباس قمی)

عصر حاضر کے شیعہ مجتہد محسن الامین نے بھی اسے شیعہ قرار دیا ہے (اعیان الشیعة ص۳۹۱ ج ۹) امام ذہبی نے حاکم کی ایک روایت (وذکر مبارزة علیؓ المستدرک ص۳۲ ج ۳، کتاب المغازی) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "قلت قبح الله رافضیا افتراه" میں کہتا ہوں کہ اس رافضی (امام حاکم) کو اللہ رسوا کرے یہ روایت اس نے خود گھڑی ہے۔ اصل روایت ملاحظہ فرمائیں :

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لمبارزة علی بن ابی طالب لعمرو بن عبدود یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیمة"

(المستدرک جلد سوم ص۳۲ ، کتاب المغازی مطبوعہ بیروت طبع جدید ذکر مبارزة علیؓ)

غزوۂ خندق کے دن جب حضرت علیؓ نے اپنے مدِمقابل عمرو بن عبدود سے جنگ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیؓ کا یہ عمل قیامت تک میری امت کے اعمال سے افضل ہے۔

جبکہ اہلسنت والجماعۃ کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے حضرت ابوبکرؓ سب سے افضل ہیں بلکہ پہلی امتوں کے تمام افراد سے بھی افضل ہیں۔ اور جو تفضیل علیؓ کا قائل ہو وہ شیعہ ہے ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ :

فھو افضل الاولیاء من الاولین والاٰخرین وحکی الاجماع علیٰ ذلک " (شرح فقہ اکبر ص۶۱)

یعنی حضرت ابوبکرؓ تمام اولین وآخرین صحابہؓ واولیاء سے افضل ہیں اس پر اجماع منقول ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ " اس مسئلہ میں رافضیوں کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں "......

ولا یخفی ان تقدیم علیؓ علی الشیخین مخالف لمذھب اھل السنۃ و الجماعۃ علی ما علیہ جمیع السلف ___ والذی اعتقدہ وفی دین اللہ اعتمدہ ان تفضیل ابی بکرؓ قطعی " (شرح فقہ اکبر ص۶۴) اور مخفی نہ رہے کہ حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے افضل قرار دینا اہلسنت والجماعت کے مذہب کے خلاف ہے۔ اس مسلک کی بناء پر کہ جس پر گذشتہ جمیع اکابر اہلسنت ہیں۔ اور جس کا میں اعتقاد رکھتا ہوں۔ اور جس پر اللہ کے دین میں اعتماد کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تمام امت سے افضل ہونا قطعی ہے۔

امام ابن ہمام لکھتے ہیں کہ " ان من فضل علیاً علی الثلاثۃ فمبتدع " (فتح القدیر ص۳۵ ج ۱ مصر) جو حضرت علیؓ کو خلفائے ثلاثہ سے افضل سمجھے تو وہ بدعتی ہے۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں کہ :

"اہل حق کا اجماع ہے کہ انبیاء کے بعد تمام انسانوں سے افضل ابوبکر صدیقؓ ہیں.......جو شخص امیر المومنین حضرت علیؓ کو خلیفہ نہ مانے وہ خارجی ہے اور جو شخص انہیں امیر المومنین ابوبکرؓ و عمرؓ سے افضل قرار دے وہ رافضی ہے۔

(غایۃ التحقیق ص۲۳)

امام حاکم کی محولہ بالا روایت سے "تفضیل علیؓ" کا عقیدہ واضح ہوتا ہے جو رافضیوں اور سبائیوں کا شعار ہے۔ اسی طرح امام حاکم نے یہ روایت بھی بیان کی کہ " حضرت علیؓ وصی ہیں " ظاہر ہے کہ یہ بھی شیعوں کا بنیادی عقیدہ ہے۔ امام حاکم کی بعض روایات شیعیت کی بو سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں لہذا اس کا سنی ہونا مشکوک ہے اور وہ "تقیہ باز" بزرگ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کبھی کبھی وہ تقیہ کی چادر اتار دیتے ہیں۔ ___ خطیب بغدادی نے بھی حاکم کو رافضی کہا ہے۔ (لسان المیزان، میزان الاعتدال، تلخیص المستدرک اعیان الشیعۃ)

مولانا تقی عثمانی صاحب "المستدرک للحاکم" کے متعلق لکھتے ہیں کہ :

یہ کتاب مستدرک علی الصحیحین ہے۔ لیکن نقد احادیث کے معاملہ میں امام حاکم بہت زیادہ متساہل مشہور ہیں۔ اسی لئے انہوں نے بہت سی ایسی حدیثوں کو علی شرط الشیخین یا علی شرط احدھما سمجھ کر اپنی کتاب میں درج کر لیا ہے۔ جو درحقیقت بہت ضعیف ہیں۔ حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے اس کتاب پر

ایک حاشیہ لکھا ہے۔ جس میں مستدرک کی تلخیص بھی ہے۔ اور امام حاکم کی مباحث پر تنبیہ بھی ...... امام حاکم کے بارے میں بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ شیعہ تھے لیکن محققین نے اس الزام کو رد کر دیا ہے۔"

(درس ترمذی جلد اوّل ص ۴۸)

معلوم نہیں کون سے "محققین" نے حاکم پر نوازش کرتے ہوئے اسے "سنّی" قرار دیا ہے؟ حیرت ہے کہ جو شخص سیدنا معاویہؓ پر اعلانیہ سب کرتا ہو، تفضیل علیؓ کا قائل ہو، عقیدہ وصایت کو درست تسلیم کرتا ہو۔ شیعہ روایات کا پرچار کرتا ہو، اہل التشیع بھی اسے اپنا مجتہد قرار دیتے ہوں ابن حجر، امام ذھبی اور خطیب بغدادی بھی اسے شیعہ اور مفتری تسلیم کرتے ہوں وہ کس قسم کا "سنّی" ہو سکتا ہے؟ یہ تو اسی طرح کا دفاع ہے جس طرح جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے طبری کا کیا ہے "بعض فقہی مسائل اور حدیث غدیر خم کے بارے میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بناء پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ انہیں شیعہ قرار دے ڈالا۔ اور ایک بزرگ نے تو انہیں "امام من ائمۃ الامامیۃ" تک قرار دے دیا ...... (خلافت وملوکیت ص ۳۱۳)

حضرت تقی عثمانی صاحب کے "محققین" سے کون پوچھے کہ جو عقیدہ وصایت، تفضیل علیؓ کا قائل ہو، صحابہؓ کی توہین کا مرتکب ہو اور سیدہ عائشہؓ پر بدعت کے ارتکاب کا الزام عائد کیا ہو تو وہ "شیعہ" کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

بہر حال جناب تقی عثمانی صاحب نے انتہائی "فراخ دلی" کا

مظاہرہ کرتے ہوئے اس پر سے الزام تشیع کی نفی کر دی لیکن حاکم کو متساہل قرار دیتے ہوئے ان احادیث کو جنہیں حاکم نے علی شرط الشیخین کہہ کر (جیسے زیر بحث حدیث ہے) درج کیا ہے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مؤرخین نے ام المومنینؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو مطعون کرنے کی غرض سے یہ داستان وضع کی ہے۔ احمد بن ابی یعقوب صاحب تاریخ یعقوبی متوفی ۲۵۶ھ، ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اور مسعودی متوفی ۳۴۶ھ نے اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جبکہ بعد کے مؤرخین نے مکھی پر مکھی مارتے ہوئے اس مکروہ و تبرائی داستان کو اپنی کتابوں میں درج کر دیا۔

طبری کی روایت

تاریخ طبری میں یہ داستان یوں نقل کی گئی ہے کہ:

صفوان بن قبیصہ الاحمسی نے عرنی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں اونٹ پر سوار جا رہا تھا۔ کہ میرے سامنے ایک سوار آیا اور مجھ سے سوال کیا کہ اے اونٹ والے کیا تو اپنا اونٹ بیچتا ہے؟ عرنی ـــــ ہاں ـــــ سوار اس کی قیمت کیا ہے؟ عرنی ایک ہزار درہم۔ سوار کیا تو پاگل ہے کہیں اونٹ ایک ہزار میں بکتا ہے؟ عرنی ہاں یہ میرا اونٹ ہے۔ سوار اس میں کیا خوبی ہے؟ عرنی۔ میں نے اس پر سوار ہو کر جب بھی کسی کا پیچھا کیا اسے پکڑ لیا۔ لیکن مجھے کبھی کوئی نہ پکڑ سکا اور جب بھی میں اس پر سوار ہو کر بھاگا تو پیچھا کرنے والا مجھے نہ پا سکا۔ سوار

تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم یہ اونٹ کس کیلئے خریدنا چاہتے ہیں؟ اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے تو تم کبھی اتنی قیمت طلب نہ کرو ـــــ عرنی۔ آخر آپ کس کیلئے اونٹ خریدنا چاہتے ہیں؟ سوار۔ تیری ماں کیلئے ــــ عرنی۔ میں اپنی ماں کو تو اپنے گھر بیٹھے چھوڑ آیا ہوں۔ اس کا سفر کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

سوار۔ ام المؤمنین عائشہ رضؓ کیلئے ــــ تو آپ یہ اونٹ لے جائیے اور اب اس کی کوئی قیمت نہیں ــــــ سوار۔ میں بلا قیمت نہیں لیتا تم میرے ساتھ قیام گاہ تک چلو میں تمہیں ایک اونٹنی اور کچھ درہم بھی دوں گا ــــــ عرنی کا بیان ہے کہ میں اس سوار کے ساتھ گیا ان لوگوں نے مجھے ایک مہری اونٹنی دی اور چار سو یا چھ سو درہم دیئے۔ اس کے بعد اس سوار نے مجھ سے سوال کیا اے عرنی بھائی تم ان راستوں سے واقف ہو؟ عرنی ہاں میں ان لوگوں میں سے ہوں جو دوسروں کو تلاش کر لیتے ہیں۔ سوار تو تم ہمارے ساتھ چلو۔ عرنی کا بیان ہے کہ میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ راہ میں جس وادی اور چشمہ سے ہمارا گزر ہوتا تو یہ لوگ مجھ سے اس مقام کا نام دریافت کرتے۔ چلتے چلتے ہم "حوأب" کے چشمے پر پہنچے۔ تو وہاں کے کتے ہمیں دیکھ کر بھونکنے لگے۔ ان لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ یہ کون سا چشمہ ہے؟ یہ چشمہ حوأب کے نام سے مشہور ہے ــــــ عرنی کا بیان ہے کہ میرا یہ جواب سنکر حضرت عائشہ رضؓ زور سے چیخیں۔ اور اپنے اونٹ کے بازو پر چابک مار کر اسے ہنکایا۔ پھر فرمایا اللہ کی قسم حوأب کے کتوں والی میں ہوں۔ اے لوگو مجھے واپس لے چلو۔ حضرت عائشہؓ نے یہ بات تین بار فرمائی۔ اور اپنا اونٹ ہنکایا۔

لوگوں نے بھی اپنے اونٹ ہنکائے اور وہ واپس لوٹیں۔ حتیٰ کہ جب اگلا روز ہوا اور وہ وقت آیا جس وقت ان لوگوں کی واپسی شروع ہوئی تھی تو عبداللہ بن زبیرؓ گھبرائے ہوئے حضرت عائشہ رضؓ کے پاس پہنچے اور چیخ کر بولے بچاؤ بچاؤ۔ یہ علیؓ کا لشکر تمہارے سروں پر پہنچ گیا ہے ــــ عرنی کہتا ہے کہ ان لوگوں نے وہاں سے کوچ کیا اور مجھے برا بھلا کہنے لگے میں ان کے پاس سے واپس چلا آیا تھوڑی دور چلا تھا کہ حضرت علیؓ اور ان کا لشکر مل گیا۔ ان کے ساتھ تین سو کے قریب افراد تھے۔ حضرت علیؓ نے مجھے آواز دی کہ اے سوار ادھر آؤ۔ میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے سوال کیا یہ لشکر کہاں ہے؟ ــــ عرنی فلاں فلاں مقام پر مقیم ہے اور یہ اس کی اونٹنی ہے۔ میں نے ان لوگوں کے ہاتھ اپنا اونٹ فروخت کیا تھا ــــــ حضرت علیؓ۔ کیا تم نے بھی ان کے ساتھ سفر کیا ہے؟ عرنی۔ ہاں میں نے ان کے ساتھ سفر کیا ہے لیکن جب ہم حوأب کے چشمے پر پہنچے تو اس عورت پر وہاں کتے بھونکنے لگے جس پر اس عورت نے ایسی ایسی بات کہی تھی۔ لیکن میں نے جب ان میں اختلاف دیکھا تو میں واپس چلا آیا۔ اور یہ لوگ کوچ کر گئے۔ ــــــ حضرت علیؓ۔ کیا تم ذی قار کا راستہ جانتے ہو؟

عرنی۔ ہاں ــــ حضرت علیؓ۔ تو تم ہمارے ساتھ چلو۔ ــــ عرنی کا بیان ہے کہ میں ان کے ساتھ چلا حتیٰ کہ ہم ذی قار پہنچ گئے۔ علیؓ نے دو آدمی بلوائے اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے ملا کر بٹھا دیا اس کے بعد ایک اور شخص طلب کیا گیا اور اسے ان دونوں پر بٹھا دیا گیا۔ پھر حضرت علیؓ اس شخص پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور ایک جانب اپنے پاؤں لٹکا لئے۔ (کتنا خوبصورت منبر ہے) اور اللہ کی حمد و ثنا

اور درود وسلام کے بعد فرمایا۔ تم لوگوں نے دیکھ لیا کہ اس عورت نے کیا کیا، اور اس
قوم نے اس کا ساتھ دیا حضرت علیؓ کی یہ بات سن کر ان کے صاحبزادے حسنؓ کھڑے
ہوئے اور رونے لگے۔ حضرت علیؓ۔ تم یہ لڑکیوں کی طرح کیوں رو رہے ہو؟ حضرت
حسنؓ۔ ہاں۔ میں نے تمہیں ایک بات کا حکم دیا تھا لیکن تم نے میری نافرمانی کی تو تم بھی
نہایت مصیبت کے ساتھ قتل کئے جاؤ گے اور تمہارا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔
حضرت علیؓ۔ تو نے مجھے جو حکم دیا تھا وہ لوگوں سے بیان کر دے۔ حضرت حسنؓ۔
جب لوگوں نے عثمانؓ کو شہید کیا تھا تو میں نے آپ کو حکم دیا تھا کہ آپ اپنی
بیعت کیلئے اس وقت تک ہاتھ نہ پھیلائیے جب تک عرب کے تمام علاقوں کے
لوگ آپ کو خلافت پر مجبور نہ کر دیں، اور وہ آپ کے علاوہ کسی کو خلیفہ نہ بنائیں
گے۔ لیکن تم نے میرا حکم نہ مانا۔ جس وقت اس عورت اور ان لوگوں نے سر اٹھایا
میں نے تم سے کہا تھا کہ مدینہ سے نہ جاؤ۔ اور اپنے ان شیعوں کے پاس جو تمہاری
بات قبول کرتے ہیں اپنے پیغامبر بھیج دو۔ حضرت علیؓ۔ اس نے سچ کہا لیکن
اللہ کی قسم میں بجو کی طرح کمزور بننا نہیں چاہتا...... واقعہ یہ ہے کہ جب
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں اپنے سے زیادہ کسی کو خلافت
کا حقدار نہ سمجھتا تھا۔ لیکن لوگوں نے ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔ پھر ابوبکرؓ ہلاک ہو
گئے۔ اس وقت بھی میں اپنے سے زیادہ کسی کو حقدار نہ سمجھتا تھا۔ لیکن لوگوں نے
عمرؓ کی بیعت کر لی۔ پھر عمرؓ بھی ہلاک ہو گئے۔ اور انہوں نے چھ آدمیوں میں سے
ایک ممبر مجھے منتخب کیا۔ لیکن اس وقت بھی لوگوں نے عثمانؓ کی بیعت کر لی جس
کی وجہ سے میں نے بھی بیعت کر لی۔ پھر لوگوں نے عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی

اور اسے قتل کر دیا، اور میرے پاس خوشی سے بیعت کیلئے آئے میں نے کسی پر زبردستی
نہیں کی...... تو اب جو شخص بھی میری اور ان لوگوں کی مخالفت کرے گا جو میرے
متبع ہیں تو میں اس سے جنگ کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے
درمیان فیصلہ فرما دے۔ اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

(تاریخ طبری اردو۔ خلافت راشدہ حصہ سوم ص۲۳، سنہ ۳۵ھ تا سنہ ۴۰ھ مترجمہ حبیب الرحمٰن صدیقی فاضل دیوبند)

اس طویل کہانی کو پڑھنے کے بعد اس کے جھوٹے اور وضعی
ہونے میں کسی شک و شبے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ مگر جس کے دل
و دماغ پر غلاف چڑھے ہوئے ہوں یا وہ جو سبائیوں کا وظیفہ خوار یا نمک خوار ہو
اسے تو اس کہانی کے سچا ہونے میں ذرہ بھر کوئی شبہ نہیں ہوگا۔

طبری کا اصل راوی ابومخنف لوط بن یحییٰ متوفی سنہ ۱۷۰ھ ہی ہے،
جس نے سب سے پہلے اس موضوع پر "کتاب الجمل" تالیف کی تھی۔ جس کا وجود
اگرچہ ناپید ہے۔ مگر طبری نے اس کے واقعات کو اپنی تاریخ میں محفوظ کر دیا ہے۔
جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ:

"طبری اور اس کی پیروی کرتے ہوئے دوسرے مؤرخین نے بھی
ایک روایت (حوأب) نقل کی ہے...... یہ روایت سراسر غلط اور موضوع ہے
اور سیدہ عائشہؓ کو اقدام قصاص میں مطعون کرنے کیلئے اس کو وضع کیا گیا
طبری نے اس کے جن راویوں کا ذکر کیا وہ سارے کے سارے مجہول ہیں۔ اور ان میں
سے بیشتر ان لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کا کام ہی ازواج مطہراتؓ اور صحابہ
کرامؓ کے خلاف لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا کرنا ہے۔ مکہ مکرمہ سے۔

بصرہ تک راستہ میں ۲۱ منزلیں ہیں لیکن ان میں سے کسی منزل کا نام "حوأب" نہیں ہے لہٰذا یہ کہنا کہ حوأب میں قافلہ سیدہ عائشہ رضؓ پر کتے بھونکے تھے سراسر غلط ہے۔ اور روایت و درایت کی رو سے یہ روایت بالکل وضعی ہے"

(سیدنا علی رضؓ، شخصیت اور کردار ص۲۹)

طبری نے زیر بحث داستان ابو مخنف کی اسناد ترک کر کے اپنی اسناد سے نقل کی ہے۔ " اسمٰعیل بن موسیٰ الفزاری نے علی بن عابس الازرق، ابو الخطاب الھجری، صفوان بن قبیعہ الاحمسی کے حوالہ سے عرنی کا یہ بیان ذکر کیا ہے

(تاریخ طبری خلافتِ راشدہ حصہ سوم ص۴۷)

۱۔ اس داستان کے پہلے راوی اسماعیل بن موسیٰ کے متعلق امام ذہبی نے ابن عدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ غالی شیعہ تھا اور ایسا فاسق تھا کہ سلف صالحین پر سب و شتم کیا کرتا تھا۔ اس کا انتقال سنہ ۲۴۶ھ میں کوفہ میں ہوا۔

(میزان الاعتدال ص۱۱۷ ج ۱)

جبکہ مؤرخ طبری سنہ ۲۲۴ھ میں طبرستان کے مقام آمل میں پیدا ہوا۔ معلوم نہیں کہ طبری نے اسمٰعیل بن موسیٰ سے کب اور کہاں "فیض" حاصل کیا؟

۲۔ دوسرا راوی علی عابس الازرق ہے۔ یہ کوفہ کا باشندہ ہے اور ضعیف ہے یحییٰ ابن معین کہتے ہیں کہ "لیس لبشیٔ" یہ کچھ بھی نہیں۔ جوزجانی، نسائی اور ازدی کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ فاحش غلطیاں کرتا تھا جس کی وجہ سے وہ متروک قرار دیا گیا۔

۳۔ تیسرا راوی ابو الخطاب الھجری ہے۔ اسے حافظ ابن حجر نے مجہول کہا ہے۔

(حوالہ مذکور تحت ابو الخطاب الھجری)

۴۔ چوتھا راوی صفوان بن قبیعہ الاحمسی ہے۔ علماء رجال کے نزدیک یہ بھی مجہول ہے۔ (لسان المیزان و میزان الاعتدال)

۵۔ پانچواں راوی عرنی ہے۔ یہ ذات شریف کون ہے؟ اس کا کیا نام ہے؟ کس جگہ کا باشندہ تھا؟ کب پیدا ہوا؟ کب اور کہاں فوت ہوا؟ پھر اس مکذوبہ و موضوعہ داستان میں اہم ترین کردار ادا کر کے کہاں چلا گیا؟ کیا پھر اسے زمین نگل گئی یا آسمان پر اٹھا لیا گیا؟ علماء رجال ان سوالوں کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔

ان "پنج تن" راویان کے علاوہ داستان کے ناقل جناب طبری خود بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔ علماء رجال نے ان کے متعلق بھی یہ وضاحت کر دی ہے کہ "یضع للروافض" وہ روافض کیلئے روایات وضع کیا کرتا تھا جب اس کی وفات ہوئی تو مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن تک نہیں ہونے دیا گیا۔ بالآخر اسے مجبوراً گھر کے صحن میں دفن کیا گیا۔

(میزان الاعتدال ص۳۵ ج ۳، البدایۃ والنہایۃ ص۱۴۷ ج ۱۱)

جس داستان کا ایک راوی رافضی، ایک ضعیف، دو مجہول الحال اور ایک مجہول النسب جبکہ مسند احمد کا راوی ضعیف، منکر الروایت اور ساقط الحدیث ہو تو ایسی روایت کے حوالے سے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضؓ پر "حوأب" کے کتے بھونکانے والا بھی کوئی ان ہی کا پیرو اور متبع ہوگا۔

روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حوأب کے کتے بھونکنے کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے پچاس آدمیوں کو پیش کیا جنہوں نے گواہی دی کہ اس مقام کا نام حوأب نہیں ہے۔ بعض نے عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف یہ جھوٹی شہادت منسوب کی ہے۔ جبکہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے حضرت مروان بن حکمؓ کا نام ذکر کیا ہے کہ "قریب کے دیہات اور آبادی سے اسی ایسے افراد کو بطور گواہ لائے جو کہتے تھے کہ یہ پانی حوأب نہیں کہلاتا اس گواہی کے بعد آپ رضی اللہ عنہا آگے روانہ ہوئیں،

(تحفہ اثنا عشریہ، ص ۶۳۴، تحت مطاعنِ عائشہؓ)

اس سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے نہ صرف یہ کہ قصداً اور عمداً جھوٹ بولا بلکہ وہ جھوٹے گواہ بھی تیار کر کے لائے۔ اس الزام سے صحابہ کرامؓ کا کس قدر گھناؤنا کردار سامنے آتا ہے جو صرف اہل التشیع کے ہاں ہی پایا جاتا ہے۔ ان محترم و معظم حضرات کی طرف ایسی نسبت کرنے سے قلم بھی لرزا اور شرما جاتا ہے۔ کسی سنّی کا ایسی داستان کو صحیح سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی عروق میں بھی سبائیت کے جرثومے پیوست ہیں۔

قدیم مؤرخ ابوالفرج قدامہ بن جعفر متوفی سنہ ۲۹۰ھ (جو طبری سے پہلے گزرا ہے) کے مطابق مکہ سے بصرہ تک اکیس ۲۱ منزلیں ہیں۔ ان میں سے کسی منزل کا نام حوأب نہیں ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مقام قافلے کے اترنے کی کوئی منزل نہ تھی بلکہ اثنائے راہ کا کوئی چھوٹا سا مقام ہوگا۔

جبکہ ابوالفتح نصر بن عبدالرحمٰن اسکندری نے یاقوت حموی کی معجم البلدان کے حوالے سے لکھا ہے کہ "حوأب" بصرے کی راہ پر عرب کے پانیوں میں سے ایک پانی تھا اور ابوعبید بکری نے معجم میں کہا ہے کہ یہ بصرے کے قریب ایک چشمہ ہے۔ اس راہ پر جو مکہ سے بصرہ کو جاتا ہے اور یہ چشمہ حوأب بنت کلب بن دبرہ کے نام سے مشہور ہوا یہ "حوأب"، قبیلہ قضاعہ سے تھی۔ (العواصم من القواصم ص ۲۴۶ اردو)

اگر بالفرض "حوأب"، کوئی باقاعدہ منزل بھی ہو تو کتوں کے بھونکنے کی خصوصیت اسی منزل کے ساتھ خاص کیوں ہے؟ کیا دوسری بیس ۲۰ منزلوں کے کتے نہیں بھونکے ہوں گے؟ کیا کسی دوسری منزل پر کتوں کا وجود نہیں تھا؟ اگر ان کا وجود تھا تو کیا انہیں نہ بھونکنے کی تلقین کر دی گئی تھی؟ تاکہ حوأب کی داستان کی بنیاد رکھی جا سکے۔ کتے عام طور پر راستہ سے گذرنے والے قافلوں اور مسافروں پر بھونکتے ہیں۔ خواہ وہ مسافر نیک ہوں یا بد، اچھے ارادے سے سفر کر رہے ہوں یا برے ارادے سے، عبادت کیلئے جا رہے ہوں یا شرارت کے لئے اور اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں۔ تو کیا محض کتوں کے بھونکنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مسافروں نے سفر کر کے کسی غلطی کا ارتکاب کیا؟ کوئی احمق اور سبائی ہی بے چارے مسافروں کو اس سے موردِ الزام ٹھہرا سکتا ہے۔

کتب لغت میں یہ ضرب المثل پائی جاتی ہے کہ:

"نبح الکلاب۔ لا یضر بالسحاب" کتے کا بھونکنا بادل کو ضرر نہیں دیتا۔ (المنجد ص ۱۵۲۸ مترجم) تو کلاب کا بھونکنا سیدہ عائشہؓ کیلئے کیوں کر ضرر رساں ہو سکتا ہے؟

عرب میں یہ عادت تھی کہ دوران سفر بھٹک جانے کی صورت میں مختلف آوازیں نکالتے تھے تاکہ آبادی کے کتے بھونکنے لگیں اور ان کی آواز سے اندازہ کر کے راستہ معلوم کر لیا جائے۔ اسی لئے عربی میں یہ کہا جاتا ہے کہ "استنبح الاضیاف کلبھم" یعنی مہمانوں نے ان کے کتوں کو بھونکایا۔ (مصباح اللغات ص۸۴۸)

پھر اسی سے رات کو آنے والے مہمان کیلئے "المستنبح" کا لفظ استعمال کیا جانے لگا (یعنی کتوں کو بھونکانے والا) مطلب یہ کہ کتے کسی مسافر و مہمان پر خود بھونکیں یا انہیں بھونکایا جائے تو اس سے مسافر یا مہمان کی توہین و تنقیص نہیں ہوتی۔

اسی طرح اگر بالفرض حوأب کے کتے سیدہ عائشہؓ پر بھونک بھی گئے تو اس سے آں معظمہؓ کا غلطی اور خطا پر ہونا کیونکر لازم آگیا؟ کیا کلاب حوأب صرف حضرت عائشہؓ پر ہی بھونکنے کیلئے پیدا کئے گئے تھے؟ اور کیا وہ اس سے پہلے یا بعد میں کسی دوسرے شخص یا قافلے پر نہیں بھونکے؟

اگر بالفرض روایت صحیح ہے تو اس کا جو مفہوم "سبائی ٹولہ" لیتا ہے وہ یقیناً غلط ہے۔ روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں "کیف باحداکن تنبح علیھا کلاب الحوأب" تم میں سے وہ کون ہو گی جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ بعض اربابِ سیر اس روایت کو "بیان قلق"، اور "اخبار غیب یا پیشین گوئی" کے تحت لائے ہیں۔ تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی یہ پیشین گوئی دے دی تھی کہ میری امت میں ایک خبیث اور بد باطن گروہ ایسا پیدا ہو گا جس کے بپا کئے ہوئے فتنے کو مٹانے کیلئے میری ایک زوجہ مطہرہؓ کو سفر کرنا پڑے گا اور اس ناپاک اور پلید گروہ کی طرف

سے انہیں اذیت پہنچے گی۔ تو اس صورت میں کلاب حوأب کے بھونکنے کا یہ مطلب ہو گا کہ آں معظمہؓ کی توہین کی جائے گی۔ اور انہیں گالیاں دی جائیں گی۔

لغت میں "نبحتنی کلابک" (تیرے کتے مجھے بھونکے) کا معنی ہے کہ تمہاری گالیاں مجھے پہنچیں (مصباح اللغات ص۸۴۸) جس پر کتے بھونکیں اسے "منبوح" کہا جاتا ہے اور "المنبوح" کے معنی ہیں جس کو گالی دی جائے۔ (حوالہ مذکور) زیر بحث حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ سبائی کتے حضرت عائشہؓ کو اسی سفر بصرہ کی وجہ سے بھونکیں گے اور آج تک ان کی ذریت "حدیث کلاب حوأب" کی آڑ میں آں معظمہؓ کو بھونک رہی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حکیم بن جبلہ اور دیگر سبائیوں نے اس سفر میں ام المومنینؓ کی شان میں توہین آمیز کلمات کہے اور جس کسی نے انہیں اس فعل شنیع سے روکا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

(تاریخ طبری ص۴۸۳ ج ۳، ابن اثیر ص۱۰۹ ج ۳)

حکیم بن جبلہ اور اس کے ساتھی ابن سبا کے گروہ میں شامل تھے اور اسی گستاخی کی بناء پر وہ عذابِ الٰہی کا شکار ہوئے۔ قتل کے وقت اس کا سر اسطرح مروڑ گیا کہ وہ ایک طرف سے چمڑے سے لٹکا رہ گیا۔ اور اس کا منہ گدی کی طرف لگ گیا۔ (طبری ص۴۹۰ ج ۳)

اس کے بعد دیگر بلوائیوں اور سبائیوں کو اس "شان" کے ساتھ لایا گیا "فجئ بھم کما یجاء بالکلاب" کہ لوگ انہیں کتوں کی طرح گھسیٹ کر لائے۔ (حوالہ مذکور ص۴۸۸ ج ۳) اور وہ سب کتے کی موت مرے۔

یہ تھا سیدہ عائشہ رضؓ پر کتے بھونکانے اور آں معظمہ رضؓ کی شان میں گستاخی کرنے کا انجام، (فاعتبروا یا اولی الابصار)

حضرت عمار بن یاسر رضؓ (جو حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل تھے) کے سامنے ایک شخص نے ام المومنینؓ کی توہین کی۔ تو انہوں نے فرمایا:

"اعزب مقبوحًا منبوحًا اتؤذی ــــ حبیبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔" (جامع ترمذی۔ باب فضل عائشہؓ)

منحوس و مردود دفع ہو جاؤ کیا تو رسول اللہؐ کی محبوبہ کو ایذا دیتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

اسکت مقبوحًا منبوحًا واللہ انہا زوجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا والاخرۃ۔" (المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۲۶۴ ج ۱۵، البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۶ ج ۷)

ان دونوں روایتوں میں حضرت عمارؓ نے گستاخِ عائشہ رضؓ کیلئے "منبوحًا" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ "جنگ جمل کے موقع پر ایک شخص نے صدیقہ رضؓ کی شان کے خلاف کچھ ناشائستہ الفاظ نکالے لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے عمار رضؓ نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا ایک شخص صدیقہ رضؓ کی شان میں گستاخی کر رہا ہے۔ عمار رضؓ نے کہا اے نالائق اور اس قابل کہ تجھ پر کتے بھونکیں خاموش ہو جا تجھے شرم نہیں آتی۔ کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ اور لاڈلی بیوی کی شان میں گستاخی کر رہا ہے۔ دیکھ صدیقہ رضؓ جنت میں بھی آپؐ کی بیوی ہوں گی۔

(طبقات ابن سعد اردو جلد ہشتم ص ۹۰ تحت حضرتِ عائشہ رضؓ)

ان روایات سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ "تجھ پر کتے بھونکیں" کے الفاظ زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ اگر مسند احمد کی زیر بحث حدیث صحیح ہے تو پھر کیا اس کی مصداق سیدہ عائشہ رضؓ ہو سکتی ہیں؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کیلئے ایسے الفاظ استعمال کر سکتے ہیں؟ ایسا تب ہوتا جب زوجین کے باہمی تعلقات کشیدہ ہوتے، ازدواجی زندگی پرسکون نہ ہوتی، اور جذباتِ محبت میں کمی ہوتی۔ کیا کوئی مسلمان اس عظیم مثالی جوڑے کی عظیم مثالی ازدواجی زندگی کے متعلق ایسا تصور بھی کر سکتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

۱۔ "کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران وآسیۃ امرأۃ فرعون وفضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام۔" (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

مردوں میں تو بہت کامل گذرے لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی کامل پیدا نہیں ہوئی۔ اور عائشہ رضؓ کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر۔

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی الطعام۔"

اس حدیث میں آپؐ نے اول تو اس کی نفی فرمائی کہ عورتوں میں مریم بنتِ عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے علاوہ کوئی عورت کامل نہیں گذری

اس فرمان سے دیگر تمام عورتیں خارج ہوگئیں۔ لیکن آپؐ نے تمام عورتوں سے حضرت عائشہؓ کو مستثنیٰ کر کے انہیں تمام عورتوں پر فضیلت دے کر یہ واضح کر دیا کہ اصل مقام فضیلت تو حضرت عائشہؓ کو حاصل ہے۔ یہ مقام کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

"هذا جبريل يقرأك السلام فقلت وعليه السلام ورحمة الله وبركاته"۔

اے عائشہؓ یہ جبرائیلؑ آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا ان پر بھی اللہ کا سلام اور اس کی رحمت و برکت ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۳۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "ای الناس أحب اليك قال عائشة قلت من الرجال قال ابوها"۔

آپؐ دنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں فرمایا عائشہؓ کو۔ میں نے عرض کیا مردوں میں سے فرمایا عائشہؓ کے باپ کو۔ (جامع ترمذی)

۴۔ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ سے فرمایا:

"یا بنیه الا تحبین ما احب قالت بلیٰ قال فاحبی هذه"

بیٹی جس سے میں محبت کرتا ہوں کہ آپ اس سے محبت نہیں کرتیں؟ سیدہ فاطمہؓ نے جواب دیا کیوں نہیں۔ آپؐ نے فرمایا پھر آپؐ عائشہؓ سے محبت رکھیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۵۔ صحابہ کرامؓ اپنے ہدیئے آپؐ کی خدمت میں حضرت عائشہؓ کی باری کے دن بھیجا کرتے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ایک دن دوسری ازواج مطہراتؓ نے ام سلمہؓ سے کہا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ وہ لوگوں سے فرمائیں کہ

میں جہاں جس زوجہ مطہرہ کے پاس بھی قیام کروں اپنے ہدیئے پیش کر دیا کرو چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے آپؐ سے عرض کر دیا تو آپؐ نے اعراض فرمایا تو پھر تیسری مرتبہ عرض کرنے پر فرمایا:

"یا ام سلمة لا تؤذینی فی عائشة فانه والله ما نزل علی الوحی و انا فی لحاف امرأة منکن غیرها" (صحیح بخاری)

اے ام سلمہؓ مجھے عائشہؓ کے بارے میں اذیت مت دو۔ کیونکہ اللہ کی قسم مجھ پر عائشہؓ کے سوا کسی بیوی کے بستر پر وحی نازل نہیں ہوتی۔

۶۔ افکِ عائشہؓ کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، اور سیدہ بریرہؓ سے مشورہ کے بعد منبر پر تشریف لائے اور اعلان فرمایا کہ: "یا معشر المسلمین من یعذرنی من رجل قد بلغنی عنه اذاه فی اهلی والله ما علمت علی اهلی الا خیرا"۔

اے گروہ مسلمین! اس شخص سے کون بدلہ لیتا ہے جس کی طرف سے مجھے سیدہ عائشہؓ کے سلسلہ میں اذیت پہنچی۔ اللہ کی قسم میں عائشہؓ کے متعلق خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب المغازی باب حدیث الافک)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ عائشہؓ سے محبت کا کچھ اندازہ حدیث ذیل سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

۷۔ "أن رسول الله صلی الله علیه وسلم لما کان فی مرضه جعل یدور فی نسائه ویقول این انا غدا حرصا علی بیت عائشة فلما کان یومی سکن"۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی مرض وفات میں دیگر
ازواج مطہراتؓ کی باری کے دنوں میں وہاں قیام کرتے تو فرماتے کہ کل میں کہاں
ہوں گا ؟ اور اس سے وہ بیتِ عائشہؓ کی حرص فرماتے ۔ جب میرا دن آیا تو آپؐ پرسکون
ہو گئے ۔ اس طرح آپؐ نے اپنے ایام مرض میں سے پہلے پانچ دن دیگر ازواج
مطہراتؓ کے ہاں قیام فرمایا اور باقی آٹھ دن سیدہ عائشہؓ کے گھر ۔

سیدہ عائشہؓ صدیقہ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ روح اطہر
کی پرواز کے وقت آپؐ کا سر مبارک آپ کی گود میں تھا ۔ اور آپ کی چبائی
ہوئی مسواک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائی ۔ اور آپ ہی کے حجرہ
مبارک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا ۔

جہاں تک سیدہ عائشہؓ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
محبت کا تعلق ہے تو اس کیلئے صرف یہی حدیث کافی ہے :

قرآن مجید کی جب یہ آیات نازل ہوئیں کہ :

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۸ ، ۲۹)

اے نبیؐ اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس
کی زینت و آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال و متاع دے دوں ۔ اور تمہیں عمدگی
کے ساتھ رخصت کروں ۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور دار آخرت

کو چاہتی ہو ۔ تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکو کاروں کیلئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے

اس آیت کو "آیتِ تخییر" کہا جاتا ہے جس کی رو سے اللہ تعالیٰ
نے ازواج مطہراتؓ کا امتحان لیا ۔ اور ان کے سامنے دو چیزیں پیش کیں اور انہیں
اختیار دیا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے لئے پسند کر لیں ۔

۱ ۔ دنیوی زندگی اور اس کی زینت و آرائش ۔

۲ ۔ اللہ ، رسولؐ اور دار آخرت ۔

پہلی شق کے اختیار کرنے کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کو حکم دیا گیا کہ انہیں کچھ مال دے کر عمدگی کے ساتھ الگ کر دیجیئے ۔

اور دوسری شق کے اختیار کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے
ان کیلئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ۔

آپؐ نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سب سے پہلے سیدہ عائشہؓ
سے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں اس کے جواب میں
جلدی نہ کرنا اپنے والدین سے مشورہ کے بعد جواب دینا ۔ جب آپؐ نے آیت
تخییر تلاوت فرمائی تو سیدہ عائشہؓ نے عرض کیا :

"ففی ای ھذا استأمر ابوی فانی ارید اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ"

میں کس بات میں اپنے والدین سے مشورہ کروں ۔ میں اللہ اس کے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم اور آخرت کے گھر کو اختیار کرتی ہوں ۔

ایسے عمدہ تعلقات کی روشنی میں کیا آپؐ سیدہ عائشہؓ کی
تنقیص میں وہ الفاظ ادا فرما سکتے تھے جنہیں مسند احمد ، مستدرک اور کتب

تاریخ کی زینت بنایا گیا ہے؟ اگر کسی کی مذمت و تنقیص میں کتے بھونکانے جانے ضروری ہیں تو پھر اس بات کا مستحق یہی خبیث سبائی ٹولہ ہے جیسا کہ حضرتِ عمارؓ نے وضاحت کی ہے۔

"حدیثِ حوأب کی اصل مصداق"

دشمنانِ اہلبیتؑ تاریخ کے حوالے سے ہی حضرت عائشہؓ کو حدیث "کلاب حوأب" کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ جبکہ اسی تاریخ میں حوأب کے حوالے سے ہی ایک دوسری عورت کو بھی جنگِ جمل سے پچیس[۲۵] سال پہلے اس کا مصداق ٹھہرایا جا چکا ہے۔

اگر بالفرض زیر بحث روایت صحیح ہے تو پھر اس کی مصداق سیدہ عائشہؓ ہرگز نہیں ہیں بلکہ اس کی اصل مصداق ام زمل سلمیٰ بنتِ مالک بن حذیفہ نامی عورت ہے۔ ـــــ جس کی ماں ام قرفہ نے عہدِ رسالت مآب میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کی جس کے نتیجے میں وہ قتل ہو گئی اور (اس کی بیٹی) ام زمل گرفتار ہو کر مدینہ آگئی جسے آپؐ نے بطور خادمہ سیّدہ عائشہؓ کے حوالے کر دیا۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے تو ام زمل کو بیٹھے دیکھ کر فرمایا۔ تم میں سے کون ہو گی جسے حوأب کے کتے بھونکیں گے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت عائشہؓ نے ام زمل کو آزاد کر دیا اور وہ اپنی قوم میں واپس چلی گئی۔ ام زمل کو اپنے قبیلے کے لوگوں نے دیکھا تو انہیں اس کی

ماں ام قرفہ یاد آگئی۔ اور انہوں نے اسے اپنا سردار تسلیم کر لیا۔ ام زمل نے اپنی قوم کو بغاوت پر اکسایا اور تھوڑے عرصے میں اس کے گرد متعدد قبائل کے شکست خوردہ لوگوں کا ایک عظیم گروہ اکٹھا ہو گیا ـــــ اگلی کہانی طبری کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:-

امّ زمل بنت ام قرفہ:-

دلبعد صدیقی ۱۱ھ میں، غطفان کے شکست خوردہ اور مفرور لوگ ظفر آئے۔ یہاں ام زمل سلمیٰ بنت مالک بن حذیفہ کی بیٹی جو اپنی ماں ام قرفہ بنت ربیعہ بن خلاق بن بدر کے بالکل مشابہ تھی رہا کرتی تھی......

ام سلمیٰ کا خروج ـــــ غرض کہ یہ تمام مفرور سلمیٰ کے پاس جو عزت میں اپنی ماں جیسی تھی جمع ہو گئے۔ اس کے پاس ام قرفہ کا اونٹ بھی تھا یہ سب لوگ اس کے یہاں فروکش ہوئے۔ اس نے ان لوگوں کو ان کی شکست پر غیرت دلائی اور جنگ کا حکم دیا اور پھر خود بھی قبائل میں گھوم گھوم کر ان کو خالدؓ کے مقابلے کیلئے اکسایا۔ اس طرح ایک بڑی جماعت اس کے پاس جمع ہو گئی اور اب وہ پھر جنگ کیلئے دلیر ہوئے ہر جانب سے بچھڑے بھٹکے اس کے پاس آگئے۔ اس کے قبل ام قرفہ کی زندگی میں قید ہو کر عائشہؓ کو ملی تھی۔ انہوں نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ یہ انؓ کے پاس عرصہ تک رہی پھر اپنی قوم میں چلی آئی۔

ایک مرتبہ (ام زمل کی موجودگی میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہؓ کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ تم میں سے ایک حوأب کے کتوں کو

بھونکائے گی۔ سلمیٰ نے مرتد ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
اس بات کو پورا کیا اور اپنے مقتولین کا بدلہ لینے کیلئے آمادہ ہوئی۔ اس کے لئے
لوگوں کو جمع کرنے کیلئے اس نے ظفر سے حوأب تک کے علاقے میں بار ہا چکر
لگائے۔ اور ان قبائل غطفان، ہوازن، سلیم، اسد اور طے کے وہ تمام لوگ جو جنگ
سے مفرور ہو کر بے یار و مددگار مصیبت کے دن بسر کر رہے تھے اس کے پاس
ایک اور کوشش کیلئے جمع ہو گئے۔

ام سلمیٰ کا قتل ——— خالدؓ کو اس کی اطلاع ہوتی..

.... تو وہ اس کے اور اس کی جمعیتوں کے مقابل جنگ کیلئے صف کش ہو گئے
نہایت شدید اور خونریز جنگ ہوئی وہ جنگ کے وقت اپنی ماں کی شان کی
طرح اس کے اونٹ پر سوار اپنی فوج کو لڑا رہی تھی ...... آخر کار خالدؓ کے شہسواروں
نے اونٹ پر یورش کر کے اسے ذبح اور سلمیٰ کو قتل کر ڈالا۔ اس کے اونٹ کے
گرد تقریباً سو آدمی مارے گئے۔ دشمن کو کامل شکست ہوئی۔

(تاریخ طبری خلافت راشدہ حصہ اول ص ۸۲ از ۱۱ھ تا ۱۲ھ، معجم البلدان
ص ۳۱۴ ج ۲، طبع بیروت لشہاب الدین ابی عبد اللہ المعروف یاقوت الحموی متوفی ۶۲۶ھ
تاریخ ابن خلدون رسولؐ اور خلفائے رسولؐ ص ۲۳۹ ج ۱، زرقانی شرح مواہب
ص ۲۴۸ ج ۷، تاریخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی ص ۲۳۹ ج ۱۔ سرور کائنات
کے پچاس صحابہؓ ص ۲۷۳ مؤلفہ طالب الہاشمی)

اس روایت سے صاف واضح ہو گیا ہے کہ حدیث میں حوأب
کے کتے بھونکنے کا اشارہ اسی ام زمل سلمیٰ کی طرف تھا۔ اور یہ بھی واضح ہو

گیا کہ کتے بھونکنے سے مراد یہ ہے کہ "حوأب" اسلام اور مسلمانوں کے خلاف
شکست خوردہ مرتدین اور فتنہ و فساد کا ہیڈ کوارٹر بن جائے گا۔ تو اس طرح
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حوأب والی پیشین گوئی بعہد صدیقی ۱۱ھ میں
ام زمل کے حق میں پوری ہو گئی۔ مگر جب سبائیوں اور رافضیوں کے پیٹ
میں مروڑ اٹھا تو انہوں نے ۳۶ھ میں ام زمل سلمیٰ کے واقعہ کے پچیس ۲۵
سال بعد ایک خاص سازش کے تحت اپنے خبثِ باطن کی وجہ سے سیدہ
عائشہؓ پر دوبارہ حوأب کے کتے بھونکانے شروع کر دیئے۔

بعض علمائے اہلسنت سبائیت کی پیروی میں:

نہایت ہی افسوس ہے کہ سبائیوں کی اس مکروہ اور گھناؤنی
سازش کا سنی مؤرخین اور بعض علمائے اہلسنت بھی شکار ہو گئے۔ لیکن
سب سے زیادہ حیرت ان سنی علماء پر ہے جو رفض و سبائیت کی تردید میں ہمیشہ پیش
پیش رہے مگر یہاں انہوں نے سبائیوں کی تائید میں سیدہ عائشہؓ کے مؤقف
کو غلط ثابت کرتے ہوئے زیر بحث حدیث کا مصداق آں معظمہؓ کو قرار دے
دیا۔ فیا اسفا۔

کراچی کے ایک معروف دینی ادارے "ادارۃ المعارف"
نے جناب مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مفتی اعظم پاکستان کا ایک رسالہ
بعنوان "عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت" شائع کیا جس کی غرض و غایت
اور اہمیت بیان کرتے ہوئے مولانا محمود اشرف صاحب عثمانی لکھتے ہیں کہ:

"ان مقالات میں فقہی اعتبار سے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم صدر جامعہ دارالعلوم کراچی کا مضمون عام فہم بھی تھا اور مدلل بھی یہ مضمون ۱۹۸۸ء میں "ماہنامہ البلاغ" اور "روزنامہ جنگ" میں شائع ہوا تھا۔ اور اسے ملک کے تمام علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ طالبان علم کو اپنے حوالہ جات کیلئے بکثرت اس مضمون کی ضرورت رہتی۔ اور اس شمارہ البلاغ کے نسخے اب دستیاب نہ تھے اس لئے اس مضمون کو علحدہ رسالہ کی شکل میں شائع کرنے کی حاجت محسوس ہوئی ...... امید ہے کہ مضمون کی یہ اشاعت جدیدہ مفید ثابت ہو گی اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ذاتی اور گروہی مفادات سے اوپر اٹھ کر دین کے متفق علیہ احکامات کے سامنے سر جھکانے کی توفیق سے نوازے۔ آمین،

(کتاب مذکور صہ۴ طبع جدید ستمبر ۱۹۹۴ء)

جہاں تک "عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت" کا تعلق ہے راقم کا اس موقف کے ساتھ (جو اس رسالے میں پیش کیا گیا ہے) مکمل اتفاق ہے لیکن اس میں "حضرت عائشہؓ اور جنگ جمل" کے تحت (از صفحہ ۳۵ تا ۴۴) بعض مندرجات کے ساتھ شدید اختلاف ہے بلکہ اسے سبائیت کی ترجمانی کے مترادف سمجھتا ہے۔

موصوف نے تکلیف فرما کر جس بحث کو چھیڑا ہے اس کی تو سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں تھی پھر لطف یہ کہ اس بحث کا اصل موضوع اور عنوان کے ساتھ بھی کوئی تعلق اور ربط نہیں ہے۔ کیونکہ رسالے کے اس حصے کا مقصد تو ان لوگوں کو جواب دینا ہے جو "عورت کی سربراہی کے جواز پر جنگ جمل

کے واقعے سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے اس جنگ کی قیادت کی تھی"۔

اس کا صحیح جواب تو اسی قدر ہے کہ "حضرت عائشہؓ کا مقصد نہ تو کوئی سیاست تھی نہ حکومت، نہ وہ جنگ کرنا چاہتی تھیں۔ بلکہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے جائز مطالبے کی تقویت اور اس سلسلے میں مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے خالص دینی مقاصد آپ کے پیش نظر تھے" اس جواب سے مخالفین کا استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

"عورت کی سربراہی" کے جواز کے حامیوں نے کہیں بھی حضرت عائشہؓ پر کتے نہیں بھونکوائے، نہ انہوں نے ان کے موقف کو غلط قرار دیا، نہ ان کی طرف ندامت و شرمندگی منسوب کی اور نہ ہی انہیں بدعت کا مرتکب قرار دیا نہ تو وہ ایسی جسارت کر سکتے تھے اور نہ ہی ایسا کرنا ان کے مفاد میں تھا۔

ان کے جواب میں اہلسنت کا نقطہ نظر اوپر پیش کیا جا چکا ہے کہ آں موصوفہؓ کا مقصد حکومت، خلافت، سیاست یا جنگ کرنا نہیں تھا اور ان کا بصرہ کا سفر صحیح، جائز اور شریعت کے عین مطابق تھا۔

جبکہ اہل تشیع اس استدلال کے جواب میں حضرت عائشہؓ کے موقف کی تغلیط کرتے ہیں، ان پر حوأب کے کتے بھونکواتے ہیں، انہیں بدعت کا مرتکب قرار دیتے ہیں۔ اور انہیں نادم و خطاکار ٹھہراتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے دونوں جوابوں سے بھرپور "علمی" فائدہ اٹھایا۔ بلکہ اہل تشیع کے جواب کو زیادہ راجح قرار دے دیا، کیونکہ

ان کی مجبوری یہ تھی کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو "عورت کی سربراہی" کے جواز کے حامی اس سے فائدہ اٹھا سکتے تھے اور موصوف کے جواب کو مختلف فیہ اور غیر متفقہ بتا سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے مضمون کو اہل التشیع میں بھی مقبول بنانے کیلئے ان ہی کے مآخذ سے ان کے مؤقف کو بھی اپنے زیر بحث رسالے میں سمودیا پھر کتاب کے آخر میں جہاں علماء اہلسنت کی تصدیق کا ذکر کیا ہے وہاں انہوں نے اہل التشیع کو بھی ایک مسلّمہ اسلامی فرقہ سمجھتے ہوئے ان کی تصدیق کو بھی اپنی تائید میں پیش کردیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :

"بہرکیف عورت کی سربراہی کا ناجائز ہونا ایک ایسا مسلّمہ مسئلہ ہے جو قرآن وسنت کے واضح ارشادات اور اجماع امت پر مبنی ہے امت کے کسی ایک فقیہ یا عالم نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا، اسی لئے ۱۹۵۱ء میں جب پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے کراچی میں آئینی مسائل پر اجتماع منعقد کیا جس میں دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث، جماعت اسلامی اور شیعہ مدارس ہائے خیال کے چوٹی کے ۳۳ حضرات موجود تھے اور وہ مشہور و متفقہ بائیس نکات طے کئے جو ان کے نزدیک پاکستان کے آئین کیلئے بنیادی اہمیت رکھتے تھے تو ان میں بارہواں نکتہ یہ تھا "رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کی تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔" ان بائیس نکات پر پاکستان کے ہر مکتبہ فکر کے تمام علماء متفق ہیں اور آج تک ان میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ لہذا کسی اسلامی حکومت میں عورت کو سربراہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ (کتاب مذکور ص۵)

کاش موصوف دینی حمیت کے تحت "عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت" کی طرح "اہل التشیع کی شرعی حیثیت" پر بھی قلم اٹھالیتے۔

رسالے میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ "اسے ملک کے تمام علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا" ظاہر ہے کہ اس اجماعی مسئلہ پر اہل تشیع نے بھی خراج عقیدت پیش کیا ہوگا۔ اور وہ اس تحسین وتصویب میں حق بجانب ہیں۔ کیونکہ حضرت مفتی صاحب نے حضرت عائشہؓ پر اہل التشیع کے عائد کردہ الزامات کو صحیح سمجھ کر آں معظمہؓ کے مؤقف کو غلط قرار دیا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

"حضرت عائشہؓ کا مقصد جنگ کرنا بھی نہیں تھا بلکہ جب آپ بصرہ جارہی تھیں تو راستہ میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا رات کے وقت وہاں کتے بھونکنے لگے حضرت عائشہؓ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مقام حوأب ہے۔ حوأب کا نام سنتے ہی حضرت عائشہؓ چونک اٹھیں انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یاد آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ایک دن فرمایا تھا "تم میں سے ایک کا اس وقت کیا حال ہوگا جب اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ حضرت عائشہؓ نے حوأب کا نام سنکر آگے بڑھنے سے انکار کردیا، اور اپنے ساتھیوں سے اصرار کیا کہ مجھے واپس لوٹادو.....

اس کے باوجود چونکہ حضرت عائشہؓ نے خواتین کے مسلمہ دائرہ کار سے قدرے باہر نکل کر اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا اس لئے صحابہ کرام

اور خود دوسری امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو آپ کا یہ اقدام پسند نہ آیا اور متعدد صحابہؓ نے آپ کو خطوط لکھے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے اس موقع پر آپ کو ایک بڑا پر اثر انگیز خط لکھا: (پھر اس خط کا ترجمہ مع متن نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ) ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے اس مکتوب کے ایک ایک لفظ سے دین کا وہ پاکیزہ مزاج ٹپک رہا ہے جس نے عورت کو حرمت و تقدیس کا اعلیٰ ترین مقام عطا فرمایا ہے اور جس کے آگے تمام سیاسی مناصب اور دنیوی شان و شوکت ہیچ ہے ...... حضرت ام سلمہؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ کرامؓ نے انہیں گھر سے باہر کی اس محدود ذمہ داری اٹھانے سے روکا چنانچہ حضرت زید بن صوحانؓ نے حضرت عائشہؓ کو ایک خط میں لکھا:

سلام کے بعد۔ آپکو ایک کام کا حکم دیا گیا ہے اور ہمیں دوسرے کام کا۔ آپ کو حکم ہے کہ گھر میں قرار سے رہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ہم لوگوں سے اس وقت تک لڑیں جب تک فتنہ باقی رہے۔ آپ نے اپنے کام کو چھوڑ دیا اور ہمیں اس کام سے روک رہی ہیں جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

پھر بات یہی پر ختم نہیں ہوتی۔ خود حضرت عائشہؓ بعد میں اپنے اس فعل پر انتہائی ندامت کا اظہار فرماتی رہی ہیں ...... پھر جنگ جمل اور اس کے سفر پر حضرت عائشہؓ کی ندامت کا یہ عالم تھا کہ جب تلاوت قرآن کریم کے دوران وہ سورہ احزاب کی اس آیت پر پہنچتیں جس میں اللہ تعالےٰ نے خواتین کو یہ حکم دیا ہے کہ "وقرن فی بیوتکن" اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو تو اس قدر روتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی

تھی۔ اور ندامت کی انتہا ہے کہ شروع میں آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر میں سرکا[illegible]د عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن جنگ جمل کے بعد آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ قیس بن ابی حازم راوی ہیں کہ: حضرت عائشہؓ دل میں یہ سوچتی تھیں کہ انہیں ان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے اب مجھے آپؐ کی دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا۔ چنانچہ انہیں بقیع میں دفن کیا گیا ..... لیکن چونکہ ان کا مشن فی الجملہ ایک محدود سیاسی حیثیت کا حامل تھا۔ اس لئے صحابہ کرامؓ نے بھی اس کو پسند نہیں کیا۔ اور وہ خود بھی انتہائی نادم ہوئیں۔ یہاں تک کہ اس ندامت کی بناء پر روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تدفین کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ اب خود انصاف سے فیصلہ کر لیا جائے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے اپنے جس اقدام کو بالآخر خود غلط سمجھا، اس پر روتی رہیں اور اس پر ندامت کی وجہ سے تدفین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے سے بھی شرمائیں اس عمل سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟

(عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص ۳۶، ۴۴ بلفظہ)

"مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کی تحقیق"

حضرت مفتی صاحب کے "پہاڑ سے زیادہ وزنی" دلائل کا جواب آگے آرہا ہے۔ یہاں ایک دوسرے ممتاز عالم دین جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے مضمون کی بھی ایک "جھلک" ملاحظہ فرما لیں:

موصوف نے بھی حضرت عائشہؓ کے دفاع کی بجائے آں معظمہؓ کو "حدیثِ حواب" کا مصداق قرار دیتے ہوئے پہلے قاضی ابوبکر ابن العربی کی مشہور کتاب "العواصم من القواصم" سے یہ عبارت نقل کی ہے کہ:

"اور یہ جو تم نے "ماءِ حواب" پر شہادت کا ذکر کیا ہے اس کو ذکر کر کے تم نے سب سے بڑے گناہ جھوٹی شہادت کا ارتکاب کیا ہے۔ جو واقعہ تم نے ذکر کیا ہے وہ کبھی ہوا ہی نہیں۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث کبھی ارشاد فرمائی۔"

پھر موصوف علامہ قاضی ابوبکر ابن العربی کی اس تحقیق انیق کو یوں بے اثر کرتے ہیں کہ "حدیثِ حواب کے بارے میں بھی یہ قاضی ابوبکر ابن العربی کی ذاتی رائے ہے"۔ (ماہنامہ اقرأ ڈائجسٹ، بابت ماہ مارچ اپریل ۱۹۸۹ء)

یہ حضرات جب مودودی صاحب کی تالیف "خلافت و ملوکیت" کا رد کرنا چاہتے ہیں تو پھر قاضی ابوبکر ابن العربی کی "العواصم من القواصم" میں انہیں کوئی ذاتی رائے نظر نہیں آتی۔ اور اس سے استدلال نہ صرف جائز اور صحیح بلکہ ضروری ہو جاتا ہے۔ مگر سیدہ عائشہؓ کے سلسلہ میں ان کی صحیح اور

تحقیقی رائے کو بھی "ذاتی رائے" کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے۔

اس سے بہتر وضاحت تو جناب مودودی صاحب نے کی تھی کہ:

"میں نے قاضی ابوبکر ابن العربی کی العواصم من القواصم، امام ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحفۂ اثنا عشریہ پر انحصار کیوں نہ کیا۔ میں ان بزرگوں کا نہایت عقیدت مند ہوں اور یہ بات میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئی کہ یہ لوگ اپنی دیانت و امانت اور صحت تحقیق کے لحاظ سے قابلِ اعتماد نہیں ہیں لیکن جس وجہ سے اس مسئلے میں میں نے ان پر انحصار کرنے کے بجائے براہ راست اصل مآخذ سے خود تحقیق کرنے اور اپنی آزادانہ رائے قائم کرنے کا راستہ اختیار کیا وہ یہ ہے کہ ان تینوں حضرات نے دراصل اپنی کتابیں تاریخ کی حیثیت سے بیان واقعات کیلئے نہیں بلکہ شیعوں کے شدید الزامات اور ان کی افراط و تفریط کے رد میں لکھی ہیں۔ جس کی وجہ سے عملاً ان کی حیثیت وکیل صفائی کی سی ہو گئی ہے۔ اور وکالت خواہ وہ الزام کی ہو یا صفائی کی اس کی عین فطرت یہ ہوتی ہے کہ اس میں آدمی اسی مواد کی طرف رجوع کرتا ہے جس سے اس کا مقدمہ مضبوط ہوتا ہو اور اس مواد کو نظر انداز کر دیتا ہے جس سے اس کا مقدمہ کمزور ہو جاتے۔ خصوصیت کے ساتھ اس معاملہ میں قاضی ابوبکر تو حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔ جس سے کوئی ایسا شخص اچھا تاثر نہیں لے سکتا جس نے خود بھی تاریخ کا مطالعہ کیا ہو۔" (خلافت و ملوکیت صفحہ ۳۲۰)

اس وضاحت میں مودودی صاحب نے قاضی ابوبکر ابن العربی اور دیگر حضرات کے ساتھ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی دیانت

امانت اور تحقیق کو قابلِ اعتماد قرار دیا۔ اور خود ان پر اعتماد اس لئے نہ کیا کہ وہ وکیل صفائی ہیں۔ کیونکہ وکیل صفائی اسی مواد کی طرف رجوع کرتا ہے جس سے اس کا مقدمہ مضبوط ہو۔ اور قاضی ابوبکر ابن العربی تو اس معاملہ میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔ یعنی انہوں نے اپنے مقدمہ کو مضبوط کرنے کیلئے نہایت محنت و جاں فشانی کے ساتھ اس طرح کا مواد حاصل کیا ہے۔

حیرت ہے کہ لدھیانوی صاحب نے قاضی ابوبکر ابن العربی کی اس ساری محنت پر "ان کی ذاتی رائے" کہہ کر پانی پھیر دیا۔ جو انہوں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کے ناموس کے تحفظ کے لئے اٹھائی تھی۔ یہ تو کوئی جواب نہیں ہے کہ "یہ ان کی ذاتی رائے ہے" آپ کا دعویٰ ہے کہ حدیث حوأب "صحیح علیٰ شرط الشیخین" ہے۔ جبکہ قاضی صاحب سرے سے اس کے حدیث ہونے ہی کے منکر ہیں تو ایسے "منکر حدیث" کے متعلق جناب کا کیا فتویٰ ہے؟

کیا ام المؤمنینؓ کے دفاع میں ایک بہت بڑے فقیہہ و محدث (بقول لدھیانوی صاحب) کی ذاتی رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے؟ کیا آپ کے نزدیک بھی ان کی رائے اس لئے قابل اعتماد نہیں ہے کہ وہ سیدہ عائشہؓ کے وکیل صفائی ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو خود لدھیانوی صاحب کس گروہ کے وکیل ٹھہریں گے؟ کیا بغیر تحقیق کے قاضی صاحب نے "حدیث حوأب" کا انکار کیا ہے؟

قاضی ابوبکر ابن العربی ۵۴۳ھ میں فوت ہوئے جبکہ کتاب

کے بھونکنے کا واقعہ ۳۶ھ کا بتایا جاتا ہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کے سامنے وہ تمام علمی ذخیرہ "موجود تھا جس کی بنا پر سبائی ام المؤمنینؓ کو مطعون کرتے ہیں لہٰذا انہوں نے یہ اطمینان حاصل کر لیا تھا کہ "حدیث حوأب" سبائیوں کا تراشا ہوا افسانہ ہے۔

حضرت لدھیانوی صاحب اگر قاضی صاحب کی کتاب کے نام پر ہی غور فرما لیتے تو انہیں ایسا غلط نتیجہ نکالنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے اس کتاب کا نام "العواصم من القواصم" رکھا۔ یعنی وہ چیزیں جو ایمان کو توڑ دیتی ہیں، اور برباد کر دیتی ہیں، ان سے ایمان محفوظ رکھنے والے حقائق۔ اسی وجہ سے موجودہ عربی میں عاصمہ چھاؤنی کو کہتے ہیں اور عواصم اور قواصم کا ترجمہ نہ تو سوال و جواب ہو سکتا ہے اور نہ ہی اعتراض اور اس کا حل ہو سکتا ہے۔ بلکہ قواصم قاصمہ کی جمع ہے توڑ دینے والی یعنی انسان کیلئے کمر توڑ حادثہ اور ایمان کو برباد کر دینے والی باتیں۔ کیونکہ بعض اسلام دشمن لوگوں نے اسلام میں ایسی چیزیں درج کر دی ہیں جنہیں قبول کر لینے سے انسان ایمان سے دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ ـــــ اور عاصمہ یعنی اس حادثہ کی اصل حقیقت جس کی وجہ سے انسان کا ایمان محفوظ رہتا ہے۔ عاصمہ کا معنی ہی حفاظت کرنیوالی ہے۔

جناب لدھیانوی صاحب "العواصم من القواصم" کے اس مقام کا دوبارہ مطالعہ فرمالیں۔ حضرت ابن العربیؒ نے بڑی تفصیل کے ساتھ "قاصمہ" کے تحت سیدہ عائشہؓ کے سفر بصرہ کا ذکر کرتے ہوئے بروایت حوأب نقل کیا

یعنی یہ روایت ایک کمر توڑ حادثہ اور ایمان کو برباد کر دینے والی بات ہے۔ پھر آگے چل کر "عاصمہ" کے تحت اہلسنت کے ایمان کو محفوظ کرنے کیلئے اپنی تحقیق بایں الفاظ پیش کرتے ہیں:

"اور جو تم نے حوأب کے پانی کے متعلق شہادت دی ہے تو تم اس میں بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہونے ہو، تمہاری بیان کردہ شہادت کا کوئی اصل نہیں ہے۔ اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی بات کہی تھی اور نہ ایسی کوئی گفتگو ہی ہوتی تھی اور نہ ہی کسی آدمی نے کوئی شہادت ہی دی تھی۔ اور تمہاری یہ جھوٹی شہادت بھی لکھ لی گئی ہے اور تم سے اس کا سوال کیا جائے گا۔" (العواصم من القواصم اردو ص۲۶۷)

تعجب ہے کہ جناب لدھیانوی صاحب جیسی شخصیت ایمان کو محفوظ رکھنے والی حقیقت پر مبنی رائے کو مسترد کر کے ایمان کو برباد کر دینے والی بات کو قبول کر رہی ہے۔ حضرت مولانا سعید الرحمٰن علویؒ لکھتے ہیں کہ:

"اس واقعہ کی بنیاد ایک وضعی، جعلی اور من گھڑت حدیث ہے۔ ایسے ہی جیسے ہمارے ذخیرہ حدیث میں بہت سی غلط روایات عجمی سازش کے سبب داخل ہو گئیں۔ ہمارے جلیل المرتبت محدثین نے بڑی محنت سے صحیح و غلط کا تجزیہ کیا ہے .... یہ روایت محض جھوٹی ہے۔ اور سیدہ عائشہؓ جیسی پاکباز و پاک خصلت، امت کی ماں، رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی کے خلاف ایرانی مجوسیوں اور مدینہ و یمن کے یہودیوں کی مشترکہ سازش کی کڑی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی سازش سے بچائے۔"

ایسی بات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ نہ کہیں کتے بھونکے نہ حضرت عائشہؓ نے واپسی کی بات کی۔ سبحٰنک ھٰذا بہتانٌ عظیمٌ۔ سیدہؓ کا مقام ان باتوں سے بہت بلند ہے۔

(خلفائے راشدینؓ چمن کو دادو عمل ص۲۰۹ برحاشیہ)

حضرت لدھیانوی صاحب نے مزید تکلیف فرما کر سات کتابوں پر مشتمل ایک فہرست بھی پیش کی (جن میں حدیث کلاب حوأب وارد ہوئی ہے) ان سب کتابوں کا ماخذ مسند احمد اور مستدرک للحاکم کی حدیث بروایت قیس بن ابی حازم ہی ہے جس کی حقیقت پیچھے گذر چکی ہے۔ راقم نے بھی اس فہرست میں کچھ اضافہ کیا ہے اور مزید بھی کر سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ایک غلط بات سینکڑوں کتب میں درج ہو جائے تو کیا وہ صحیح کا درجہ اختیار کر لے گی؟

راقم ان "سنی" ناقلین کے متعلق یہ تصور نہیں کر سکتا کہ ان کے قلوب میں ام المؤمنینؓ کا مقام و مرتبہ اور ان کی عظمت نقش نہیں ہے۔ البتہ اتنا شکوہ ضرور ہے کہ جس طرح حضرت لدھیانوی صاحب نے "اختلاف امت اور صراط مستقیم" میں آمین بالجہر، فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، اور دیگر فروعی مسائل میں محنت فرمائی ہے اسی طرح اگر "حدیث حوأب" پر بھی معمولی سی توجہ بھی فرما لیتے تو آنے والی نسلوں پر ان کا احسان عظیم ہوتا۔ ان فروعی مسائل میں تو موصوف نے براہ راست صحیحین کی احادیث پر بحث کر کے انہیں مرجوح قرار دیا ہے۔ جبکہ یہاں "حدیث حوأب" محض

علیٰ شرط الشیخین کی یقین دہانی پر قبول کی جا رہی ہے جس کا وجود صحیحین کیا صحاح ستہ میں بھی کہیں نہیں ہے۔ اور اس (علیٰ شرط الشیخین) کی یقین دہانی کے متعلق جناب تقی عثمانی صاحب یہ صراحت کر چکے ہیں کہ "نقد احادیث کے معاملہ میں امام حاکم بہت زیادہ متساہل مشہور ہیں۔ اس لئے انہوں نے ایسی بہت سی حدیثوں کو علیٰ شرط الشیخین یا علیٰ شرط احدھما سمجھ کر اپنی کتاب میں درج کر لیا ہے جو در حقیقت بہت ضعیف ہیں۔

(درس ترمذی ص۴۸ ج۱)

بہر حال ان فروعی مسائل کے مقابلے میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی عزت و ناموس کا دفاع زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ کا تعلق اصول اور عقائد سے ہے۔ حضرت لدھیانوی صاحب اپنے مضمون میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"اس کے باوجود ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی راستہ میں جب ایک مقام حوأب پر پہنچیں تو واپسی کا ارادہ فرمایا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکیں" ——— اس کے بعد قیس بن ابی حازم کی حدیث حوأب نقل کر کے لکھتے ہیں کہ " اسی طرح متعدد صحابہ کرامؓ نے بھی ان کے خروج پر نکیر فرمائی ...... جس واقعہ پر اکابر صحابہؓ نے نکیر فرمائی اور جس پر خود ام المؤمنینؓ نے افسوس اور ندامت کا اظہار فرمایا کیا اس کو حکومت کے لئے عورت کی سربراہی کے جواز کی دلیل بنانا صحیح ہے؟

(اقرأ ڈائجسٹ ص۱۳۰، ۱۳۵، مارچ اپریل سنہ ۱۹۸۹ء)

موصوف نے یہ تو لکھ دیا ہے کہ "ام المؤمنینؓ نے واپسی کا ارادہ فرمایا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکیں" مگر اس ناکامی کی وجہ تحریر نہ کر سکے وہ یہی تو تھی کہ حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ یا بقول شاہ عبدالعزیز حضرت مروان بن حکمؓ نے جھوٹی شہادت فراہم کی کہ یہ مقام "حوأب" نہیں ہے۔ کیا ام المؤمنینؓ کی واپسی کا قصد صحیح تھا یا صحابہ کرامؓ کا شہادت فراہم کرنا؟ اگر واپسی کے قصد کو صحیح قرار دیا جائے تو صحابہ کرامؓ پر جھوٹی شہادت دینے کا الزام عائد ہوتا ہے۔ اور اگر واپسی کے قصد کو غلط قرار دیا جائے تو "حدیثِ حوأب" کو موضوع قرار دینا پڑے گا۔ جس سے آپ کا موقف باطل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے جناب نے یہاں حدیث کو صحیح قرار دے کر ام المؤمنینؓ کی واپسی کے عزم کو ثابت کیا، مگر اس میں ایک لغزش تو یہ کھائی کہ آں معظمہؓ کو اپنے مقصد میں ناکام ظاہر کیا۔ اور دوسری لغزش یہ کہ اکابر صحابہؓ پر جھوٹی شہادت (جو اکبر الکبائر ہے) کے ارتکاب کا الزام عائد کر دیا، یا پھر اس سے کم تر الفاظ میں آپؒ نے ان صحابہ کرامؓ پر ام المؤمنینؓ پر جبر کرنے کا الزام تو یقیناً عائد کر دیا ہے۔ جناب نے بتکرار فرمایا کہ "ام المؤمنینؓ کے خروج پر اکابر صحابہؓ نے نکیر فرمائی اور وہ اپنے فعل پر خود بھی ندامت کا اظہار کرتی رہیں"، اس کا جواب تو آگے آ رہا ہے لیکن یہاں یہ عرض ہے کہ بقول آپ کے ام المؤمنینؓ نے تو اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کر دیا لیکن صد آفرین کہ آپ نے اپنے مضمون کے زیر بحث قابلِ اعتراض حصے پر کوئی ندامت و شرمندگی محسوس نہیں کی

جس سے ام المومنینؓ اور اکابر صحابہؓ کا کردار داغدار ہو گیا ہے۔

فاضل مضمون نگار کی نگاہِ کرم تو نکیر کرنے والے "اکابر صحابہؓ" پر پڑ گئی لیکن انہیں حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ (از عشرہ مبشرہ) اور دیگر اکابر صحابہؓ نظر نہ آسکے۔ جنہوں نے نہ صرف آں معظمہؓ کے صحیح اور شرعی موقف کی حمایت کی بلکہ اس مقصد عظیم کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر دی۔

اسی طرح حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر شیعہ کتب اور شیعہ راویوں کے حوالہ سے جو فرد جرم عائد کی ہے وہ یقیناً کسی "مفتی اعظم" ہی کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔ ایک طرف تو موصوف بتکرار آں معظمہؓ کے اقدام کی تغلیط کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

حضرت عائشہؓ نے کبھی خلافت یا حکومت کی سربراہی کا دعویٰ نہیں کیا نہ ان کے ساتھیوں میں سے کسی کے حاشیہ خیال میں یہ بات تھی کہ ان کو خلیفہ بنایا جائے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لینا قرآنِ کریم کے احکام کے مطابق ضروری تھا ...... بلکہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے جائز مطالبے کی تقویت اور اس سلسلے میں مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے خالص دینی مقاصد آپ کے پیش نظر تھے .... وہ صرف ایک قرآنی حکم کے نفاذ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کیلئے نکلی تھیں۔ لیکن دشمنوں کی سازش نے ان کے اس سفر کو بالآخر ایک جنگ کی شکل دے دی۔

(عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص۳۵، ۳۷، ۴۴)

کیا جنگ جمل کے حوالے سے عورت کی سربراہی کا جواز

تلاش کرنے والوں کیلئے موصوف کا مذکورہ جواب ناکافی ہے؟ اگر یہ جواب کافی ہے تو پھر ایک غلط روایت سے استدلال کر کے ام المؤمنینؓ کے اقدام کی تغلیط کیوں کی گئی؟

جب ام المؤمنینؓ کا اقدام صحیح، جائز اور قرآنی احکام کے عین مطابق تھا تو پھر اس پر اظہار تاسف، توبہ و استغفار اور ندامت و شرمندگی کیسی؟ ظاہر ہے ندامت و شرمندگی، توبہ و استغفار اور اظہار تاسف کسی نیک کام کے کرنے پر نہیں ہوتا بلکہ کسی ناجائز، غیر شرعی، کسی گناہ اور بدعت کے ارتکاب پر ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے مابین نزاعی مسئلہ صرف یہی تھا کہ امت کے متفق علیہ خلیفہ کو جن لوگوں نے ظلماً اور بغیر کسی حجت کے شہید کیا ہے وہ سب لوگ احکام الٰہی کے مطابق واجب القتل ہیں۔ اور جب تک انہیں قصاص میں قتل نہیں کر دیا جاتا احکام شرعیہ کی بجا آوری کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ کا قتل نہ صرف ایک مسلمان کا بلکہ ایک صحابیؓ کا بلکہ صحابہ کرامؓ کے سربراہ اور خلیفہ راشد کا قتل ہے۔ بغیر کسی وجہ کے قتل ہے۔ مرکز اسلام مدینہ منورہ میں روضۂ رسولؐ کے سایہ میں قتل ہے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے ایک روزہ دار کا قتل ہے۔ اس سانحہ فاجعہ سے نہ صرف حضرت عثمانؓ کی ذاتی بیحرمتی ہوئی بلکہ ایک امام کی بے حرمتی اور منصب خلافت کی بے حرمتی ہوئی جس کا سارا دبدبہ و جلال خاک میں ملا دیا گیا۔ ان وجوہات سے خون عثمانؓ کے قصاص کی اہمیت کس قدر بڑھ جاتی ہے

حضرت عائشہؓ کی طرف سے اسی خونِ عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ تھا۔ جس کیلئے پندرہ سو قدسی صحابہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔ جس پر رب کائنات نے انہیں اپنی رضا و خوشنودی کا پروانہ عطا کیا تھا۔ علاوہ ازیں خونِ عثمانؓ کا قصاص لینا آیتِ کریمہ "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ ......" کی نص صریح کے مطابق بھی فرض تھا۔

جبکہ حضرت علیؓ بھی طالبین قصاص کے اس مؤقف کو اصولی طور پر درست سمجھتے تھے جبکہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے ان سے قصاص کا مطالبہ کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: "بھائیو جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی بے خبر نہیں ہوں مگر ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔ خدا کی قسم میں بھی وہی خیال رکھتا ہوں جو آپ کا ہے ذرا حالات سکون پر آجانے دیجیئے تاکہ لوگوں کے حواس برجا ہو جائیں۔ خیالات کی پراگندگی دور ہو اور حقوق حاصل کرنا ممکن ہو جائے"۔

(تاریخ طبری ص ۴۴۹ ج ۴، بحوالہ خلافت و ملوکیت ص ۱۲۷)

اس روایت سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ طالبین قصاص نے باقاعدہ طور پر مدینے میں ہی عدالتی کاروائی کرنے کا مطالبہ کیا اور حضرت علیؓ نے بھی مطالبے کی تصویب ہی کی۔ اس کے بعد چار ماہ تک مدعیانِ قصاص حالات کا جائزہ لیتے رہے۔ جب انہیں خلافت پر باغیوں، مفسدوں اور قاتلوں کی گرفت مضبوط نظر آئی تو وہ مدینہ چھوڑ کر مکہ روانہ ہو گئے۔ باشندگان مدینہ میں سے ایک جم غفیر بھی ان کے ساتھ ہو گیا، ان کے مکہ پہنچنے سے قبل ان

کے ہم خیال بہت سے لوگ اور اکابر صحابہؓ کی ایک تعداد حضرت عائشہؓ کی قیادت میں پہلے ہی وہاں موجود تھی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت جس بے دردی سے باغیوں کے ہاتھوں ہوئی اس نے پوری مملکت اسلامیہ میں ایک آگ لگادی تھی۔ ہر صوبے سے بیک وقت یہ آواز اٹھی کہ قاتلین کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ کوفے کے ایک گروہ نے بیعتِ علیؓ سے انکار کر دیا۔ بصرے میں بھی ایسا ہی ہوا۔ مصر کے دس ہزار آدمیوں نے صاف طور پر حضرت علیؓ کے مقرر کردہ گورنر قیس بن سعد کو کہدیا "اگر قاتلینِ عثمانؓ کیفر کردار تک پہنچا دیئے جائیں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ورنہ ہم بیعتِ علیؓ کے لئے تیار نہیں"۔ اہل حجاز بالکل غیر جانب دار ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے گورنر کوفہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ "کوفہ سے میری حمایت کیلئے فوجی امداد روانہ کرو"۔ انہوں نے قاصدین کو صاف طور پر کہہ دیا "میری اور تمہارے خلیفہ دونوں کی گردن میں عثمان کی بیعت موجود ہے اگر کسی سے جنگ ناگزیر ہے تو وہ قاتلین عثمانؓ ہیں جب تک ان سے نہ نمٹ لیں ہم کسی کے خلاف فوجی کاروائی کرنے کو تیار نہیں"۔

(تاریخ طبری، ص ۴۷۷/۴ تا ۴۸۲، الکامل لابن الاثیر ص ۲۲۷/۳، البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۵)

تعجب ہے کہ حضرت مفتی اعظم صاحب ام المؤمنینؓ کے اس جائز، صحیح اور شرعی مطالبے پر بھی آں معظمہؓ کے اقدام کی بتکرار تغلیط فرما رہے ہیں۔

سب سے زیادہ حیرت ان علمی حلقوں اور علماء کرام پر ہے

جنہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کے متعلق مبنی بر توہین اور دل آزار مضمون کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی تائید و تصدیق کی۔ رسالے کے آخر میں "تصدیق کنندگان" کے تحت حسب ذیل علماء کرام کے نام درج ہیں۔:

۱۔ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب۔

۲۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب۔

۳۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خانصاحب

۴۔ حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی صاحب۔

۵۔ حضرت مولانا اطہر نعیمی صاحب۔ (دعوت کی سو برس کی شرعی حیثیت ص۵۱)

جناب مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی اس مضمون کی تصدیق کے علاوہ خود بھی ایک مستقل مضمون شائع کر چکے ہیں۔ جس کا حوالہ پیچھے گذر چکا ہے جبکہ حضرت مفتی ولی حسن صاحب نے زیر بحث مضمون کو کتابی صورت میں شائع ہونے سے پہلے خود اپنے ادارتی ریمارکس کے ساتھ شائع کرایا ہے۔

عزیز محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے علماء کے استفتاء پر ایک طویل فتویٰ مرتب کیا ہے جس پر پاکستان بھر کے علماء کرام تصدیق فرما رہے ہیں۔ "نقش آغاز" میں آپ کے اطمینان قلب کے لئے اس فتویٰ کو اس لئے شائع کیا جا رہا ہے کہ آپ اپنے علاقے کے علماء کرام سے اس فتویٰ پر تصدیق فرما کر ہمیں ارسال فرمائیں،

(اقرأ ڈائجسٹ ص۹، جنوری، فروری ۱۹۸۹ء)

ممکن ہے کہ دیگر علماء کرام نے حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی

صاحب کی ثقاہت اور فقاہت پر اعتماد کر کے تصدیقی و تائیدی دستخط ثبت کر دیئے ہوں۔ اور آں محترم کے ماخذ پر غور نہ فرما سکے ہوں اور یہ کچھ بعید از قیاس بھی نہیں۔ کیونکہ ہمارے ہاں اکثر و بیشتر ایسا ہوتا رہتا ہے۔ بعض اوقات یوں بھی ہوا کہ کسی "قد آور" مفتی صاحب نے فتویٰ صادر فرمایا تو اس کے ہم مسلک علماء نے فوراً "الجواب صحیح" لکھ کر اس کی تائید کر دی۔ اس کی اگرچہ راقم کے پاس چند مثالیں موجود ہیں لیکن یہاں صرف ایک مثال وہ بھی بطور لطیفہ ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے۔

راقم نے "فرقہ مسعودیہ نام نہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جو الحمدللہ مئی ۱۹۹۶ء میں شائع ہو گئی۔ اس کتاب کے آخر میں مفتیانِ عظام کے چند تائیدی فتوے شامل کرنے کی غرض سے ایک مفصل استفتاء مختلف مدارس کو ارسال کیا گیا۔ لیکن جب دارالعلوم کراچی کا فتویٰ موصول ہوا تو توقع کے برعکس پا کر سخت حیرت ہوئی۔ استفتاء بھی بڑا واضح تھا اور جن کی خدمت میں بھی ارسال کیا گیا ان میں سے کسی کو بھی کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوئی۔ معلوم نہیں کہ دارالعلوم کراچی کے فاضل مفتی صاحب کیوں غلط فہمی کا شکار ہوئے؟ باضابطہ رابطہ کیا، فتویٰ کی فوٹو سٹیٹ روانہ کی انہیں احساس دلایا گیا کہ استفتاء کے مطابق جواب نہیں دیا گیا لیکن جواب ندارد ——— پھر سوچا کہ شاید ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کی جماعت کا نام بھی "جماعت المسلمین" ہو جس کی وجہ سے مفتی صاحب کو غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو۔ تو ایسی بھی کوئی بات معلوم نہ ہو سکی؛

جماعت المسلمین کا مرکز کراچی ہے۔ اس کی بنیاد کراچی ہی میں ۱۳۹۵ھ میں رکھی گئی اس کے امیر و امام کا نام مسعود احمد بی ایس سی ہے لیکن سوال اور نام پر غور کئے بغیر حضرت مفتی صاحب کا ذہن کسی اور طرف منتقل ہو گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"فرقہ جماعت المسلمین اور اس کے امیر ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کے بعض رسائل......" مسعود احمد بی ایس سی اور ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی دونوں ناموں میں نمایاں فرق ہے۔ اور اگر بالفرض دونوں مختلف شخصیات ہم نام بھی ہوتیں تو ان کے مابین باپ دادے کے اسماء کے ذریعے فرق معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن یہاں نام بھی مختلف ہیں اور ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کی جماعت کا نام "جماعت المسلمین" بھی نہیں ہے۔ اس نام کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک چھوٹی تا کے ساتھ یعنی جماعۃ المسلمین جس کے امام ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی صاحب ہیں۔ (یہ جماعت بھی کراچی میں ہے) اور دوسری "بڑی" تاء کے ساتھ یعنی جماعت المسلمین جس کے امام مسعود احمد بی ایس سی ہیں اور یہ دونوں جماعتیں بھی ایک دوسرے کو گمراہ اور کافر قرار دیتی ہیں۔ استفتاء میں بھی مؤخر الذکر جماعت کے بارے میں پوچھا گیا تھا جو باضابطہ طور پر رجسٹرڈ ہے۔ اس فتوے کی تصدیق کرتے ہوئے جناب مولانا محمود اشرف صاحب (جنہوں نے رسالہ "عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت" کا پیش لفظ تحریر فرمایا ہے) لکھتے ہیں کہ "الجواب صحیح"۔

(فتویٰ نمبر ۱۸/۲۰۸ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۹۶ء دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی)

استفتاء اور فتویٰ کا عکس ملاحظہ فرمائیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استفتاء

علمائے دین ایک نئے فرقہ "جماعت المسلمین" جس کے امیر مسعود احمد بی۔ ایس سی ہیں۔ اور جن کے نظریات حسب ذیل ہیں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔؟

(۱) تقلید بدعت ہے۔ شرک ہے۔ اور اسے حق سمجھنے والے شرک فی الشریعت کے مرتکب ہیں۔

(۲) ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید بدعت ہے۔ اور یہ گمراہی کی جڑ ہے۔

(۳) مقلد اگر اپنے امام کو عقیدۃً شارع نہ بھی سمجھے پھر بھی عملاً وہ ان کو شارع سمجھتا ہے۔ لہذا وہ اسی طرح مشرک ہے۔ جس طرح کفار مکہ۔

(۴) تقلید شرک ہے لہذا کوئی ولی اللہ مقلد بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی مقلد سے کرامات کا ظہور بھی ہو۔ تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہندو سادھوؤں سے ہوتا ہے۔

(۵) مقلد کی نماز قبول ہی نہیں ہوتی۔ لہذا اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۶) احناف کا طریق نماز غلط ہے۔ اور اس وجہ سے بھی تقلید میں شرک کا شائبہ ہے۔ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

(۷) جماعت المسلمین کا اگر ایک ہی فرد ہے۔ تو وہ اپنی نمازیں گھر میں ادا کرے۔ اسے جماعت ہی کا ثواب ملے گا۔

(۸) جمعہ کی نماز میں (مسنون خطبوں سے پہلے) خطیب حضرات کا تیسرا خطبہ دینا بدعت ہے۔

(۹) جو حضرات مسعود احمد صاحب کی قائم کردہ "جماعت المسلمین" میں شامل نہیں ہیں۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور جاہلیت کی موت مریں گے۔

(۱۰) اس فرقہ کے لوگ دوسرے مسلمانوں کو نہ سلام کرتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اس فرقہ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ اور ایسے لوگوں سے عام مسلمانوں کو کیا سلوک۔ کرنا چاہیئے۔؟

بینوا توجروا

۸ - شعبان ۱۴۱۶ھ
۳۰ دسمبر ۱۹۹۵ء

پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی ایم اے
خطیب مرکزی جامع مسجد حویلیاں۔ ہزارہ

الجواب ۷۸۶

فرقہ جماعت المسلمین اور اس کے امیر ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کے بعض رسائل جن میں انہوں نے اولیاء کرام، سلف صالحین بالخصوص اکابر علماء دیوبند کو اپنی تضلیل کا نشانہ بنایا ہے، اور جن میں انہوں نے اپنی خود ساختہ توحید خالص کا ذکر کیا ہے، نظر سے گزری ہیں، ان کی دعوت کے بارے میں ہمارے اور پاکستان کے تمام اہل فتوی علماء دیوبند و بریلوی کی حتمی رائے یہی ہے کہ موصوف

غلو میں مبتلا تھے، اور راہ اعتدال سے ہٹ کر ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے، والعیاذ باللہ۔

اور ڈاکٹر عثمانی کا جو نظریہ تھا اس کے پیروکار کا بھی وہی نظریہ ہے، اس کی باتیں سننا اور اس پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں، وہ گمراہی میں مبتلا رہے، عوام کو ان کی کتابوں کے مطالعہ سے اجتناب لازم ہے۔

(تبویب ۴۲م الف ۱۵۷۵) واللہ سبحانہ اعلم

محمد کمال الدین غفرلہ
دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴
۱۵ /۸/ ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح
بندہ محمود اشرف غفر اللہ لہ
۱۸ /۸/ ۱۴۱۶ھ

دارالافتاء ۱۸ / ۲۰۸

24 JAN 1996

۱۴۱۶/۹/۳
[illegible]

اگر مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب استفتاء اور جواب کو پڑھنے کی زحمت گوارا کرتے تو وہ تصدیقی دستخط ہرگز ثبت نہ فرماتے۔ لیکن انہوں نے اپنے دارالعلوم کے فاضل مفتی صاحب کے جواب پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تصدیق فرمادی۔

ہوسکتا ہے کہ تصدیق کنندگان نے صرف "اعتماد" کے تحت ہی حضرت مفتی اعظم صاحب کے مضمون کی تصدیق کردی ہو (اگر ایسا ہوا ہے تو یقیناً یہ روش بھی صحیح نہیں ہے) لیکن مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی نے خوب غور وخوض کے بعد تصدیقی دستخط ثبت کئے ہیں۔ اسی اعتماد کا ایک نمونہ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں ۔ :

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی سرپرستی میں دینی کتب کی نشر و اشاعت کیلئے "دارالاشاعت" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ جس نے اپنی مطبوعات کے ذریعے بلاشبہ دین کی اہم خدمت سرانجام دی ہے۔ اسی ادارے سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف ماثبت بالسّنۃ فی ایام السّنۃ" مع ترجمہ بنام "مومن کے ماہ وسال" شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :

"انہیں کتابوں میں سے ایک بہت اہم کتاب ماثبت بالسنۃ ہے۔ اس کے مصنف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نام نامی ہی اس کتاب کے مستند، معتبر اور بلند پایہ ہونے کی ضمانت ہے۔ اہل علم میں وہ کسی تعارف

کے محتاج نہیں ۔ اس کتاب میں اس معاملے کے متعلق وارد شدہ روایات حدیث کو جمع بھی کیا گیا ہے اور اس کے مستند یا غیر مستند ہونے کی تحقیق بھی کی گئی ہے اور مزید ضروری اور مفید معلومات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے ۔ یہ کتاب عرصہ سے نایاب تھی الحمدللہ اب برخوردار عزیز مولوی محمد رضی سلمہ نے اس کا اصل متن عربی اور اس کے شروع میں اس کا اردو ترجمہ اپنے مکتبہ دار الاشاعت سے شائع کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور دین و دنیا میں سب کے لئے نافع و مفید بنا دیں ۔" (مومن کے ماہ و سال ص۴)

ایسے تعارف اور ضمانت کے بعد کس " دیوبندی ،، کی یہ جرأت ہے کہ وہ کتاب کے کسی حصے پر بھی اعتراض کرے یا اسے صحیح ، مستند ، معتبر اور بلند پایہ تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس کرے ۔ لیکن اس عظیم شہادت اور ضمانت کے باوجود یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اس کتاب میں بہت سی غیر مستند اور غیر معتبر روایات موجود ہیں ۔ جنہیں سبائیوں ، کذّابوں اور رافضیوں نے روایت کیا ہے ۔ صد افسوس ! کہ ناشر اور مترجم جناب مولانا اقبال الدین احمد صاحب دونوں نے ایسی واہی روایات کی کوئی نشاندہی نہیں کی ۔ یہاں صرف بطور نمونہ ایک عبارت پیش کی جاتی ہے ۔ جس میں اصحاب رضؓ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بدترین قسم کا تبرّا کیا گیا ہے ۔ :

" حضرت حسن بصریؒ کا بیان ہے لوگوں میں فتنہ و فساد کی آگ سلگانے والے صرف دو آدمی ہیں ۔ جن میں سے ایک عمرو بن عاص ہیں ۔ جنہوں نے امیر معاویہ کو نیزوں پر قرآن کریم اٹھانے کا مشورہ دیا اور

قرآن کریم نیزوں پر اٹھائے گئے ۔ اس کے حاشیہ پر مترجم لکھتے ہیں کہ جنگ صفین میں منجانب امیر معاویہ نیزوں پر قرآن کریم اٹھائے گئے ۔ (اس الزام کا مکمل اور مدلل جواب راقم کی کتاب " سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ " میں ملاحظہ کیا جائے ۔

اور ابن قراء کا قول ہے کہ خارجیوں کو انہوں نے ہی ثالث بنایا تھا اور یہ وہ ثالث تھے جن کا چرچا قیامت تک رہے گا ۔

فسادیوں میں سے دوسرے شخص مغیرہ بن شعبہ ہیں ۔ جو کوفہ میں امیر معاویہ کے گورنر تھے ۔ جن کے نام امیر معاویہؓ کا یہ فرمان پہنچا کہ اس حکمنامہ کی وصولیابی اور خواندگی کے بعد تم خود کو معزول سمجھو ۔ اور کوفہ سے فوراً ہمارے دربار میں حاضری دو ۔ لیکن مغیرہ نے تعمیل حکم میں تعویق کی اور یہ تعویق دربار میں پہنچنے پر امیر معاویہ نے تعویق کا سبب پوچھا تو جواب دیا ایک معاملہ پیش تھا ۔ جسے سلجھانے اور مفید مطلب بنانے کی وجہ سے دیر ہو گئی ۔ امیر معاویہ نے پوچھا کیا معاملہ تھا بتاؤ ؟ مغیرہ نے جواب دیا کہ آپ کے بعد یزید کی بیعت کیلئے زمین ہموار کر رہا تھا ۔ دریافت کیا آیا تم نے یہ پورا کر لیا ؟ جواب دیا جی ہاں ۔ یہ سنکر امیر معاویہ نے کہا اچھا اپنی گورنری پر واپس جاؤ اور حسب سابق اپنے فرائض انجام دو ۔ یہاں سے لوٹ کر مغیرہ جب اپنے احباب کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا بتاؤ کیسی رہی ؟ مغیرہ نے کہا میں نے معاویہ کے پاؤں اس ناواقفیت کے رکاب میں رکھ دیئے ہیں جس میں قیامت تک وہ گرفتار رہیں گے ۔"

(مومن کے ماہ و سال ص۳۲، ۳۳)

اس اقتباس میں کاتب نے ایک مرتبہ بھول کر حضرت معاویہؓ کے نام کے ساتھ "رضؓ" کی علامت تحریر کی۔ باقی مقامات پر حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت معاویہؓ کے اسماء کے ساتھ صحابیت کی علامت کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ جبکہ حضرت حسن بصری جو ایک تابعی ہیں ان کے نام کے ساتھ علامت صحابیت (رضؓ) تحریر کی گئی۔

ظاہر ہے کہ مکتبہ دار الاشاعت نے اس نایاب کتاب کو تلاش بسیار کے بعد کہیں سے حاصل کر کے کسی عالم فاضل سے اس کا ترجمہ کرا کے کسی دیانت دار کاتب سے اس کی کتابت کرائی ہوگی۔ اور پھر دار العلوم کے کسی محنتی اور محقق استاد نے اس کی پروف ریڈنگ کی ہوگی۔ ان تمام مراحل سے گذرنے کے بعد کتاب مذکور زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔ اسی لئے تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کتاب کے نہ صرف مستند، معتبر اور بلند پایہ ہونے کی ضمانت دی بلکہ یہ وضاحت بھی فرمائی کہ اس میں شامل روایات کے مستند یا غیر مستند ہونے کی تحقیق بھی کی گئی ہے۔ آخر میں یہ دعا بھی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں اور دین و دنیا میں سب کیلئے نافع و مفید بنادیں،

کتاب کے عربی متن میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ :

"قال الحسن البصری افسد امر الناس اثنا عمرو بن العاص .....المغیرة بن شعبة"

بہرحال مترجم نے واضح طور پر حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو (العیاذ باللہ) "فسادی" قرار دیا ہے۔ فسادیوں کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "ان اللہ لا یحب المفسدین"

یقیناً اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتے۔ جبکہ رب نے صحابہؓ کو "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کی سند عطا فرمائی ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ ایک جلیل القدر صحابی ہیں وہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ مشرف باسلام ہوئے۔ جب وہ دولتِ ایمان سے سرفراز ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ مکہ نے اپنے دل کے ٹکڑے مدینہ کو پیش کر دیئے ہیں۔ آپؐ نے ان کے اسلام قبول کرنے پر ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جو ان کی سیرت و کردار پر بہترین تبصرہ ہے "اسلم الناس و امن عمرو بن العاص" لوگ اسلام لائے اور عمرو ایمان لائے ہیں۔ (مسند احمد ص۱۵۵ ج ۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے علم و عرفان اور شجاعت کی وجہ سے اپنے قریب رکھتے تھے (الاصابہ تحت عمرو بن العاص)

آپؐ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تم اسلام میں ایک صائب الرائے آدمی ہو (کنز العمال ص۱۸۶ ج ۶) چنانچہ ان کی اسی زیرکی اور تدبر کی وجہ سے آپؐ اکثر مہمات ان کے سپرد فرماتے بلکہ بعض مرتبہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ پر بھی انہیں امیر بنایا گیا۔ (تہذیب التہذیب ص۱۵۶ ج ۸)

حضرت عمر بن خطابؓ جیسا ذہین اور عبقری انسان بھی ان کی اصابت رائے اور عقل و دانش کا معترف و مداح تھا۔ حضرت قبیصہ بن جابر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ قرآن بیان کرنے والا، ان سے زیادہ حسن الخلق اور ان سے زیادہ یکساں ظاہر و باطن والا نہیں دیکھا۔ آپ نے ہمیشہ ان پر اعتماد کیا ہے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کیلئے وقف کئے رکھا۔ مصر کا ملک ان ہی کی تیغ زنی کی یادگار ہے

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا شمار بھی ان اصحاب پیغمبرؐ میں ہوتا ہے۔ جن کی ذہانت وفطانت اور تدبیر وسیاست کا سبھی موافق ومخالف اربابِ سیر وتاریخ نے اعتراف کیا ہے۔ یہ ۵ھ میں مشرف باسلام ہوئے اور اسی سال وطن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ قبول اسلام کے بعد اپنا بیشتر وقت بارگاہِ رسالتؐ میں گذارتے تھے۔ اور فیضانِ نبویؐ سے خوب بہرہ یاب ہوتے تھے۔ ہر وقت آپؐ کی خدمت پر کمربستہ رہتے تھے۔ آپؐ کوئی حکم دیتے تو لپک کر اس کی تعمیل کرتے، آپؐ کیلئے وضو کا پانی لاتے۔ آپؐ کے کاشانۂ اقدس کی حفاظت کا فرض سرانجام دیتے۔ آپؐ کے اونٹ جنگل میں چرانے کیلئے لے جاتے۔ اور بعض اوقات کتابتِ وحی کی سعادت سے بھی سرفراز ہوتے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر چہرے پر نقاب اوڑھے اور ہتھیار سجائے آپؐ کی حفاظت میں آپؐ کی پشت مبارک کی طرف کھڑے رہے بعد میں "بیعتِ رضوان" کا عظیم شرف حاصل کر کے "اصحاب الشجرہ" کی عظیم المرتبت جماعت میں شامل ہوئے۔ آپؐ کی معیت میں غزوات میں حصہ لیا، اور حجۃ الوداع میں بھی آپؐ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لحد میں اتارتے وقت انگوٹھی قبر مبارک میں گر گئی اس لئے قبر میں اترے آپؐ کے قدم مبارک کو ہاتھ لگایا اور آنکھوں سے سیل اشک بہاتے ہوئے قبر مبارک سے باہر آئے۔ بعد میں وہ اس واقعہ کو لوگوں کے سامنے بطور فخر بیان کرتے تھے کہ میں تم سب میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے آخری جدا ہونے والا شخص ہوں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ صرف ایک مجاہد اور مدبر ہی نہیں تھے بلکہ علم وفضل کے لحاظ سے بھی بڑے بلند رتبہ پر فائز تھے۔ ان سے ۱۳۳، احادیث مروی ہیں۔ جن میں سے ۹ متفق علیہ ایک میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ جس کتاب میں ایسی عظیم المرتبت شخصیات کو "فسادی" تحریر کیا جائے۔ اسے مستند، معتبر اور بلند پایہ کیوں کر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

حضرت عمرو بن العاصؓ کو فسادی اس بنیاد پر قرار دیا گیا کہ ان کے مشورے سے قرآن نیزوں پر بلند کئے گئے۔ (جس پر مترجم نے بھی حاشیہ چڑھایا ہے) جبکہ اس داستان کا راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہے یہ شخص کذاب، مفتری اور آگ لگانے والا شیعہ تھا۔ ۱۷۰ھ میں فوت ہوا۔ جب کہ جنگ صفین ۳۷ھ میں ہوئی۔ معلوم نہیں کہ راوی نے اپنی ولادت سے پہلے ہی نیزوں پر بلند قرآن کیسے دیکھ لئے۔

(میزان الاعتدال ص ۲۰ ج ۳، لسان المیزان ص ۴۹۲ ج ۴ تحت لوط بن یحییٰ)

علاوہ ازیں ابو مخنف صرف اہلسنت کے نزدیک ہی شیعہ نہیں بلکہ خود شیعہ علماء بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

(تنقیح المقال ص ۴۳ ج ۲، اعیان الشیعۃ ص ۱۵۳ ج ۱)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو اس لئے فسادی قرار دیا گیا، کہ انہوں نے گورنری پر برقرار رہنے کی خاطر یزید کی بیعت کیلئے فضا ہموار کی یہ ایک صحابی کی ذات اور نیت پر بدترین حملہ ہے۔

دارالاشاعت سے امام اہلسنت مولانا محمد عبدالشکور صاحب فاروقی
لکھنوی کی پسند فرمودہ کتاب "تاریخ مذہب شیعہ" شائع ہوئی۔ جس کا تعارف کراتے
ہوئے جناب محمد رضی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"یہ کتاب فتنہ ابن سبا المعروف بہ تاریخ مذہب شیعہ اپنے موضوع
کے اعتبار سے نہایت اہم اور مستند کتاب ہے۔ یہ کتاب لکھنؤ میں حضرت مولانا
عبدالشکور صاحب فاروقی کے مشورے سے ایک اسلامی انجمن کے زیر اہتمام مرتب و شائع ہوئی
تھی کیونکہ مولانا موصوف اس خاص موضوع پر خاص شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے
اس کتاب کو بے انتہا پسند فرمایا تھا..... یہ کتاب متلاشیانِ حق کیلئے ایک عظیم
تحفہ ہے" (تاریخ مذہب شیعہ ص۳، تحت عرض ناشر)

کتاب کے نامعلوم مؤلفین و مرتبین لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت
مغیرہ بن سعیدؓ دونوں سابق گورنر جن کا ذکر ہو چکا ہے اور حضرت عبداللہ بن
عباسؓ کی والدہ تھیں۔ روانہ ہوتے وقت مروان بن الحکم بھی جو حضرت عثمانؓ کے
میر منشی تھے مکہ پہنچ گئے۔ اور ساتھ ہوئے۔ یہ سند یافتہ مفسد تھے۔"
(حوالہ مذکور ص۱۲۵)

اس عبارت میں سیدنا مروانؓ کو "سند یافتہ مفسد" قرار دیا
گیا ہے۔ جو ایک صحابی، ایک مجاہد، ایک عالم، ایک فقیہ، صحیح بخاری، مؤطین
(امام مالک، وامام محمد) مسند احمد کے راوی اور حضرات حسنینؓ اور دیگر صحابہؓ کے مقتدا
کی ذات پہ بدترین تبرا ہے۔ افسوس! سبائیوں کے خلاف لکھنے والے نامعلوم

مؤلفین سیدنا مروانؓ کے متعلق خود سبائی پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے۔ آں موصوفؓ
اگر اتنے ہی برے اور مفسد تھے تو ان کے گھرانے کے ساتھ خاندانِ علیؓ کے
رشتے ناطے کیوں طے ہوئے؟ صرف چند رشتے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت علیؓ کی صاحبزادی سیدہ رملہ کا نکاح معاویہ بن مروانؓ سے ہوا۔

۲۔ حضرت علیؓ کی پڑپوتی زینب بنت حسن مثنیٰ بن حسنؓ کا نکاح ولید بن
عبدالملک بن مروانؓ کے ساتھ ہوا۔

۳۔ سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسنؓ بن علیؓ کا نکاح بھی ولید بن عبدالملک بن
مروانؓ کے ساتھ ہوا۔

۴۔ مروان بن الحکمؓ کے حقیقی بھائی الحارث بن الحکمؓ کے پوتے اسمٰعیل بن
عبدالملک بن الحارث کا نکاح خدیجہ بنت حسین بن حسن بن علیؓ کے ساتھ ہوا۔
(کتاب نسب قریش ص۵۲، جمہرۃ انساب العرب ص۱۰۸، طبقات ابن سعد ص۲۳۴ ج۵)

اگر آں موصوف "سند یافتہ مفسد" تھے تو پھر حضرات حسنینؓ،
عبداللہ بن جعفرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے جنگ جمل کے فوراً بعد حضرت علیؓ سے
سفارش کر کے ان کیلئے امان کیوں حاصل کی تھی؟
(السنن لسعید بن منصور ص۳۶۶، نہج البلاغۃ ص۱۲۳، مروج الذھب تحت وقعۃ الجمل)

اگر سیدنا مروانؓ کا یہی کردار تھا تو پھر حضرات حسنینؓ اور
دیگر صحابہؓ ان کی اقتداء میں نماز کیوں ادا کرتے رہے؟
(المصنف لابن ابی شیبہ ص۳۷۸ ج۲، البدایۃ والنہایۃ ص۲۵۸ ج۸، بحار الانوار ص۱۳۹)

امام بخاری نے یہ روایت بایں الفاظ نقل کی ہے کہ:

حدثنی شرحبیل ابوسعد قال رأیت الحسن و الحسین یصلیان خلف مروان "

(تاریخ صغیر ص۵۷)

اگر موصوف اسی کردار کے حامل تھے تو پھر سیدنا ابوھریرہؓ نے ان کی نیابت کیوں کی ؟

(صحیح مسلم باب اثبات التکبیر فی کل رفع وخفض فی الصلوٰۃ، البدایۃ و النھایۃ ص۲۴۳ ج ۸)

مروان بن الحکمؓ سیدنا عثمان ذو النورینؓ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ ان کی ولادت کے متعلق حافظ ابن حجر نے بصیغۂ تمریض لکھا ہے کہ :

"یقال بعد الھجرۃ سنتین ......" کہا جاتا ہے کہ مروان ہجرت کے دو سال بعد پیدا ہوئے ...... پھر خود ہی اس کا رد بھی کر دیا کہ " قال ابن طاھر ولد مروان بعد الھجرۃ بسنتین ......وھو مردود و الخلاف ثابت ...." (الاصابۃ ص۴۷۷ ج ۳، تحت مروانؓ بن الحکمؓ فی القسم الثانی)

جبکہ تاریخ خمیس میں یہ وضاحت آئی ہے "وفی دول الاسلام وکان مروان قد لحق النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو صبی .... مات بدمشق سنۃ خمس وستین وھو ابن ثلاث وسبعین. ......" (تاریخ خمیس ص۳۰۸ ج ۲)

اس روایت کی رو سے تو سیدنا مروانؓ کی ولادت ہجرت سے آٹھ سال پہلے ثابت ہو رہی ہے۔ جبکہ ایک دوسری روایت کے مطابق آں موصوفؓ کا ۶۵ھ میں بعمر تراسی ۸۳ سال فوت ہونا ثابت ہے۔

حیوٰۃ الحیوان ص۵۵ ج ۱)

اگر بالفرض ولادت ۲ھ میں ہی تسلیم کر لی جائے تو پھر

بھی موصوفؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت آٹھ برس کے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر تمام رؤسائے مکہ نے جہاں خود اسلام قبول کیا وہاں اپنے بچوں کو بھی آپؐ کے سامنے پیش کر کے دعا کی درخواست کرتے رہے اس موقع پر سیدنا حکمؓ کا اپنے صاحبزادے مروان کا آپؐ کی خدمت میں پیش کرنا کوئی بعید از قیاس نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض محدثین نے سیدنا مروانؓ کی رؤیت تسلیم کی ہے۔ لیکن روایت کا انکار کیا ہے امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ :

"وھو صحابی عند طائفۃ کثیرۃ لانہ ولد فی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم " (البدایۃ و النھایۃ ص۲۵۷ ج ۸)

یعنی کثیر جماعت کے نزدیک مروان صحابی ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے انہیں " من اقران ابن الزبیرؓ" یعنی ابن زبیرؓ کے طبقے سے شمار کیا ہے۔ سیدنا مروانؓ نے اکابر صحابہ کرامؓ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبد الرحمٰن بن الاسودؓ سے احادیث روایت کی ہیں اور خود ان سے صحابی رسولؐ سہل بن سعد الساعدیؓ اور تابعین کرام علی بن حسینؓ، عروہ بن زبیرؓ، سعید بن مسیب اور مجاہد وغیرہم نے احادیث روایت کی ہیں۔

(کتاب الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم رازی ص۲۷۱/۴، الجمع بین رجال الصحیحین ص۵۰۱ تہذیب التہذیب ص۹۱/۱۰، الاصابۃ مع الاستیعاب ص۴۷۷ ج ۳)

امام مالک نے سیدنا مروانؓ سے اپنی کتاب الموطا میں بعض شرعی مسائل باسند نقل کئے ہیں۔ اور ان پر مکمل اعتماد کیا ہے۔

(الموطا تحت الوضوء من مس الفرج، کتاب الصیام باب ما جاء فی

میاہ الذی یصبح جنبًا ، ماجاء فی الیمین علی المنبر، تحت القصاص فی القتل ، کتاب
السرقۃ ، باب مالا قطع فیہ)

اسی طرح امام محمد بن حسن الشیبانی نے بھی سیدنا مروانؓ سے
متعدد دینی مسائل نقل کئے ہیں۔

(موطا امام محمد باب الرجل یطلع لہ الفجر فی رمضان وھو جنب
باب دیۃ الاسنان ، کتاب الحدود ، باب من سرق ثمرًا وغیر ذلک ....
کتاب الحدود ، باب المختلس ، کتاب البیوع باب الھبۃ والصدقۃ)

امام احمد بن حنبل نے ایک مستقل عنوان قائم کرکے
اس میں المسور بن المخرمۃؓ اور مروان بن الحکم کی مرویات کو ملا کر درج کیا ہے
"حدیث المسور بن مخرمۃ الزھری ومروان بن الحکم رضی اللہ عنھما"
(مسند احمد بن حنبل ص۳۲۳ ، ۳۳۱ ، ج۴ ، ص۱۸۹ ج۵ ، تحت زید بن ثابتؓ)

امام بخاری نے بھی اپنی صحیح بخاری میں سیدنا مروانؓ
کی روایات درج کی ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الوکالۃ باب اذا وھب شیئا لوکیل)

حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں کہ :

لمروان الحکم الاموی حدیثان ۔ (ھدی الساری مقدمہ فتح الباری
ص۱۹۲ ، ج۲)

یعنی بخاری میں مروانؓ کی دو روایتیں منقول ہیں۔

امام ابن کثیر نے سیدنا مروانؓ کے متعلق سیدنا معاویہؓ
کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :

"اما القاری لکتاب اللہ الفقیہ فی دین اللہ الشدید
فی حدود اللہ مروان بن الحکم"

یہ کتاب اللہ کے قاری ، دین کے فقیہ ، اور اللہ کی حدود
قائم کرنے میں سخت ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ ص۲۵۷ ج۸)

حافظ ابن حجرؒ آں موصوف کا دینی اور علمی مقام بیان کرتے
ہوئے لکھتے ہیں کہ :

وکان یعد فی الفقھاء .. "مروانؓ اپنے دور میں فقہاء میں شمار
کئے جاتے تھے۔ (الاصابۃ مع الاستیعاب ص۴۷۷ ج۳)

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ :

اخرج من اھل الصحاح عدۃ احادیث عن مروان ولہ قول مع اھل الفتیا ..." (منہاج
السنۃ ص۱۸۹ ج۳) یعنی صحاح کے محدثین نے متعدد احادیث مروانؓ سے تخریج کی
ہیں۔ اور اہل فتاویٰ میں ان کا قول لیا جاتا ہے۔ قاضی ابوبکر بن العربی لکھتے ہیں
کہ "مروان رجل عدل من کبار الامۃ عند الصحابۃ والتابعین وفقھاء المسلمین"
مروانؓ ایک عادل انسان تھے اور صحابہؓ ، تابعین اور فقہاء مسلمین کے نزدیک امت
کے اکابرین میں سے تھے۔ (العواصم من القواصم ص۹۰) تعجب ہے کہ ایسی عظیم دینی شخصیت کو
"دار الاشاعت" کی مطبوعہ کتاب میں "سند یافتہ مفسد" قرار دے دیا گیا
ہے۔ فیا اسفاہ ——

دارالاشاعت کراچی کو جناب احمد مصطفیٰ صدیقی راہی کی تالیف "مسلمان فاتحین" شائع کرنے کا بھی اعزاز حاصل ہوا۔ اس کتاب میں بھی حضرت عمرو بن العاصؓ پر بدترین تبرا کیا گیا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"حضرت عمرو بن العاصؓ، آپ کے غلام وردان اور مسلمہ بن مخلد رومیوں سے لڑتے لڑتے قلعے کے اندر ہی رہ گئے۔ رومی سپاہی انہیں گرفتار کر کے اپنے حاکم کے پاس لے گئے۔ جہاں حضرت عمرو بن العاص نے اس سے بڑی جرأت اور بے باکی سے گفتگو کی۔ رومی حاکم کو اس سے اندازہ ہو گیا کہ یہی مسلمانوں کی فوج کے سپہ سالار ہیں۔ چنانچہ اس نے آپ کے قتل کا حکم دے دیا۔ آپ کے غلام وردان جو آپ ہی کے پاس کھڑے تھے یہ دیکھ کر حضرت عمرو بن العاص قتل ہوا چاہتے ہیں۔ انہوں نے آپ کے منہ پر طمانچہ دے مارا اور بولے خاموش رہ کتے سرداروں کے سامنے اس طرح گستاخانہ نہیں بولا کرتے۔۔۔۔۔۔ (رومی حاکم نے) حضرت عمرو بن عاص کو ایک معمولی سپاہی خیال کرتے ہوئے چھوڑ دیا اور اس طرح وردان کی فراست سے حضرت عمرو بن عاص قتل ہوتے ہوتے بچ گئے"۔ (مسلمان فاتحین ص۸۹)

راہی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ کیا پھر رومی حاکم نے وردان کو حضرت عمرو بن عاصؓ کی بجائے قتل کر دیا تھا؟

دارالاشاعت جو ایک قابل اعتماد ادارہ ہے حیرت ہے کہ اس کی مطبوعات میں بھی صحابہؓ پر تبرا پایا جاتا ہے۔ کتاب مذکور میں کس طرح ایک جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے اپنے غلام

سے بھرے دربار میں منہ پر طمانچہ رسید کرایا۔ پھر اس کی زبان سے انہیں "کتا" کہلایا۔ اس سے بڑھ کر آن محترمؓ کی اور کیا توہین ہو سکتی ہے؟ معلوم نہیں کہ اتنے بڑے صاحب فراست غلام کو اس کے علاوہ کوئی اور تدبیر کیوں نہیں سوجھی؟ یہ کام بغیر طمانچے اور کتا کہنے کے بھی ہو سکتا تھا۔

سبائیوں نے ایک دوسرے مقام پر بھی حضرت عمرو بن العاصؓ کیلئے حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کی زبانی لفظ "کتا" استعمال کرایا:

"جب عمرو بن عاصؓ نے تحکیم کے موقع پر سینکڑوں افراد مخالفین و موافقین کی موجودگی میں فیصلہ سنایا تو ابو موسیٰ اشعریؓ چلائے کہ یہ بے ایمانی اور مکاری ہے۔ اور کہا ــــــ "انما مثلك مثل الكلب ان تحمل عليه يلهث او تتركه يلهث......" تیری مثال بالیقین کتے کی سی ہے اگر اس پر بوجھ لاد دو تب بھی ہانپتا ہے۔ یا اسے چھوڑ دو تب بھی ہانپتا ہے......

(تاریخ طبری ص۵۲ ج۴)

یہ سب بغضِ صحابہؓ کا کرشمہ ہے اب لفظ "کتا" میں مخفی تبرا ملاحظہ فرمائیں۔:

لفظ کتا کے کنایۃً استعمال سے مراد ہے کہ ــــــ کمینہ پاجی، (پاجی کا معنی ہے رذیل، شریر، بدمعاش، لچہ، شہدہ، گھٹیل، ذلیل، حقیر) نالائق، نجس، پلید، غلیظ، گندہ، ادنیٰ، سفلہ، لالچی، لوبھی، حریص، طامع، طماع، آزمند، بوالہوس (یعنی شیطانی خواہشات کا حامل)

(قاموس مترادفات ص۸۶۷ مؤلفہ وارث سرہندی اردو سائنس بورڈ لاہور)

سبائیوں اور رافضیوں نے تو اس لفظ کے استعمال سے اپنے دل کا غبار نکال لیا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ان کے چبائے ہوئے لقمے نگلتے رہتے ہیں۔ جناب طالب الہاشمی نے اسی واقعہ کو بالفاظ ذیل بیان کیا ہے:

ایک دن رومیوں کا ایک دستہ شہر سے نکلا تو اس میں سے ایک رومی جنگجو نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو مقابلے کیلئے للکارا۔ حضرت مسلمہ بن مخلدؓ اس کے مقابل ہوئے۔ لیکن اتفاق سے گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور رومی نے ان کو زمین پر دے مارا۔ اس نے ان کو قتل کرنے کیلئے تلوار اٹھائی ہی تھی کہ ایک مسلمان شہسوار نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر ان کو بچالیا

یہ واقعہ دیکھ کر حضرت عمرو بن العاصؓ اس قدر غضبناک ہوئے کہ ان کے منہ سے بے اختیار نکل گیا "ایسے نامردوں کو میدان کارزار میں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت مسلمہؓ کو ان کی بات سنکر بہت رنج ہوا لیکن انہوں نے ضبط سے کام لیا۔ اب عام لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے بپھرے ہوئے شیر کی طرح اس زور سے حملہ کیا کہ رومی پیچھے ہٹتے ہٹتے قلعے کے اندر گھس گئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ دیر تک قلعہ کے اندر معرکہ گرم رہا۔ آخر رومیوں نے سنبھل کر ایسا زبردست جوابی حملہ کیا کہ مسلمانوں کو قلعے سے باہر نکلنا پڑا۔ البتہ چار مجاہدین قلعہ کے اندر ہی رہ گئے۔ ان میں حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت مسلمہ بن مخلدؓ بھی تھے۔ لیکن رومی ان کو پہچانتے نہ تھے۔ انہوں نے ان چاروں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا مگر جب دیکھا کہ چاروں مرنے مارنے پر تیار ہیں۔

اور کسی صورت میں زندہ ہمارے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ اور انہوں نے کہا کہ تم میں سے ایک آدمی ہمارے ایک آدمی کا مقابلہ کرے۔ اگر تمہارا آدمی غالب آگیا تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور خود رومی جنگجو کے مقابلہ پر نکلنا چاہا لیکن حضرت مسلمہؓ نے کہا آپ فوج کے سردار ہیں۔ اگر خدانخواستہ آپ کو کوئی ضرر پہنچ گیا تو فوج کا کیا حال ہو گا؟ آپ پیچھے رہیں میں رومی کے مقابلے پر جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر گھوڑا آگے بڑھایا اور رومی جنگجو کے سامنے پہنچ گئے۔ دونوں دیر تک ایک دوسرے پر وار کرتے رہے آخر حضرت مسلمہؓ نے ایک ایسا ہاتھ مارا کہ رومی ڈھیر ہو گیا۔ رومیوں نے اقرار کے مطابق قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور چاروں باہر آگئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت مسلمہؓ کی بہادری سے اتنے متاثر ہوئے کہ اپنے پہلے الفاظ پر ندامت کا اظہار کیا۔ اور ان سے معافی مانگی۔ انہوں نے صاف دل سے معاف کر دیا۔ (سرورِ کائناتؐ کے پچاس صحابہؓ ص ۳۶۰)

دراصل دشمنانِ صحابہؓ نے بڑی عیاری اور مکاری کے ساتھ غلط اور صحیح واقعات کو خلط ملط کر دیا۔ اور بعد میں آنے والے حضرات نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں جوں کا توں نقل کر دیا۔

اسی اعتماد کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ایک نامناسب لفظ حضرت خالد بن ولیدؓ کی طرف منسوب کر دیا:

"عجائب قدرت سے ہے کہ صحابہ کرامؓ کے سب سے بڑے

جنگی جرنیل سیف اللہ حضرت خالد بن ولیدؓ رضی اللہ عنہ، جن کی اسلامی عمر ساری جہاد ہی میں گذری ہے۔ وہ کسی جہاد میں شہید نہیں ہوئے۔ بیمار ہو کر گھر میں وفات پائی۔ وفات کے قریب اپنے بستر پر مرنے کا افسوس کرتے ہوئے گھر والوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں فلاں فلاں عظیم الشان جنگوں اور جہادوں میں شریک ہوا۔ اور میرا کوئی عضو ایسا نہیں جس میں تیر یا نیزے یا چوٹ کے زخم کا اثر و نشان نہ ہو۔ مگر افسوس ہے کہ میں اب گدھے کی طرح بستر پر مر رہا ہوں۔ خدا تعالیٰ بزدلوں کو آرام نہ دے ان کو میری نصیحت پہنچاؤ۔

(معارف القرآن جلد اوّل ص ۵۹۹، سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۴۳۔ طبع جدید مطابق مارچ سنہ ۱۹۸۰ء۔ ناشر ادارۃ المعارف کراچی)

حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے ماخذ کا کوئی حوالہ نہیں دیا، اگر موصوفؒ اپنا ماخذ بتا دیتے تو روایت کی حقیقت بآسانی معلوم ہو جاتی۔ البتہ حافظ ابن عبدالبر اور ابن اثیر الجزری نے یہ قول بلا سند نقل کیا ہے کہ "اموت علیٰ فراشی کما یموت العیر"۔ (الاستیعاب و اسد الغابہ تحت خالد بن ولیدؓ)

لغت میں "اَلعَیْرُ" کا معنیٰ ہے گدھا، گورخر۔ اور گورخر کے معنوں میں زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ (مصباح اللغات ص ۵۸۷، المنجد ص ۸۵۹)

اسد الغابہ کے مترجم مولانا محمد عبدالشکور فاروقیؒ نے یہ قول نقل کرتے ہوئے "گورخر" معنی کیا ہے۔ مگر میں اپنے بستر پر اس طرح مرتا ہوں جس طرح گورخر مرتا ہے۔ (اسد الغابہ ص ۱۳۰ ج ۳)

جبکہ طالب الہاشمی نے الاستیعاب میں وارد لفظ "العیر"

کا معنی اونٹ کیا ہے۔ آج بستر پر اونٹ کی طرح جان دے رہا ہوں۔

(سرورِ کائناتؐ کے پچاس صحابہؓ ص ۳۲۹)

بہر حال لغت میں "العیر" کا معنی گدھا اور گورخر ہے۔

گورخر جنگلی گدھے کو کہتے ہیں۔ "A WILD ASS"

(پرشین انگلش ڈکشنری، ص ۱۱۰۱، فیروز سنز اردو انگلش ڈکشنری ص ۶۲۵)

رابرٹ برٹن اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

"گورخر (جنگلی گدھے) ایشیا اور افریقہ کے شمالی مشرقی صحراؤں میں رہتے ہیں" (WILD ANIMALS-PAGE-42)

حضرت مفتی صاحبؒ نے "العیر" کا معنی گدھا ہی کیا ہے، حضرت خالد بن ولیدؓ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کی طرف اس قول کی نسبت کرنا بعید از فہم ہے۔ اس کی صحیح تاویل اور وضاحت جناب مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب یا مولانا محمد تقی عثمانی صاحب ہی کر سکتے ہیں۔ ______ لیکن راقم الحروف کے نزدیک حضرت خالدؓ کے اس قول "اموت علیٰ فراشی" میں "کما یموت العیر" کسی سباقی کا اضافہ ہے۔ کیونکہ اکثر اربابِ سیرت نے اس قابلِ اعتراض لفظ کو نقل کرنے سے گریز کیا ہے۔ جبکہ ابن عبدالبر اور ابن اثیر الجزری نے اسے بلا سند تحریر کیا ہے۔

کاش حضرت مفتی صاحبؒ بھی اس لفظ کو اپنی بے نظیر تفسیر میں جگہ نہ دیتے۔ اور اکثر اربابِ سیرت اور علامہ ابن حجر العسقلانیؒ کی طرح "اموت علیٰ فراشی" پر ہی اکتفاء کر لیتے۔ (الاصابہ تحت خالد بن ولیدؓ)

گدھے کے ساتھ تشبیہ دینا کسی صورت میں بھی مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس سے ایک جلیل القدر صحابیؓ کی شخصیت مجروح ہوتی ہے۔ پھر اس میں واضح تبرا پایا جاتا ہے۔ اس کا کنایۃً استعمال نہایت خطرناک ہے۔ لفظ گدھا بے وقوف، احمق، ابلہ، مورکھ، کم عقل، نافہم، نادان" کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ (قاموس متوادفات ص۹۰۸) اسے تبرا کے علاوہ اور کیا نام دیا جاسکتا ہے؟

حافظ ابن عبد البر ۴۶۳ھ میں فوت ہوئے جبکہ حضرت خالد بن ولیدؓ کا انتقال سنہ ۲۱ھ یا بروایتِ دیگر سنہ ۲۲ھ میں ہوا۔ موصوف تک کن "معتبر ذرائع" سے یہ قول پہنچا؟ تو اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔ اکثر اربابِ سیر نے بغیر "العیر" کے ذکر کیا ہے کہ "میں آج بستر پر مر رہا ہوں" معلوم نہیں کہ بستر کی موت، اور گدھے کی موت میں کیا مشابہت ہے؟ پھر اس کم تر اور گھٹیا لفظ کی نسبت اس بطل جلیل اور فاتح اعظم کی طرف جو جس طرف سے بھی گذرا۔ فتوحات کے پھریرے اڑاتا ہوا گذرا۔ اس نے جس طرف بھی رخ کیا تو کامیابیوں اور کامرانیوں نے آگے بڑھ کر اس کے قدم چومے ——— رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس نے ایک طرف فتنۂ ارتداد کے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیئے اور دوسری طرف ایران کی ہزار سالہ متمدن ایرانی سلطنت کو اپنے پاؤں تلے روند کر رکھ دیا۔ جس نے اپنی پندرہ سالہ اسلامی زندگی میں چھوٹی موٹی جھڑپیں چھوڑ کر اکتالیس ۴۱ سے زائد عظیم جنگیں لڑیں، جس کی حربی صلاحیتوں کے سامنے بعد میں آنے والے ہر فوجی سالار نے عقیدت کے پھول نچھاور کئے۔ جس کے عالم اسلام پر ان گنت المنٹ احسانات ہیں۔ جس نے بستر

مرگ پر بھی بزدلوں اور نامردوں کو شجاعت وبہادری کی وصیت ونصیحت کی۔

الغرض اس موجود دنیا میں حضرت خالدؓ سیف اللہ سے نہ تو پہلے کوئی اتنا عظیم فاتح ہوا اور نہ بعد میں۔ وہ یقیناً تاریخ عالم کے ایک زندہ وتابندہ فاتح تھے: "تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آغاز اسلام میں خالد بن ولیدؓ سے بڑھ کر کسی اسلامی سپہ سالار میں ایسا بے پناہ عسکری تدبر نہ تھا"

(شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا ص۳۵۳)

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک دن آپ کا ایک دوست آپ کے پاس آیا، آپ نے بڑی حسرت سے اسے کہا کہ میں ہر جنگ میں یہ آرزو لے کر دشمنوں کی صفوں میں دور تک گھستا چلا جاتا رہا کہ شہادت کی موت نصیب ہو مگر آج نہایت بے بسی سے بستر مرگ پر دراز یہ حسرت دل میں لئے رخصت ہونے کے انتظار میں پڑا ہوں۔ دوست نے جواب دیا آپ کو لسانِ رسالت مآبﷺ سے سیف اللہ کہلانے کی سعادت نصیب ہو چکی ہے۔ پھر اللہ کی تلوار کو دشمن کی تلوار سے کیسے نقصان پہنچ سکتا تھا

آخری وقت ان کے پاس صرف ان کا ایک غلام ہمام رہ گیا تھا۔ اربابِ سیر میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی جائے وفات اور مدفن کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں وفات پائی حضرت عمر فاروقؓ ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ اس دن مدینہ کی خواتین خصوصاً بنی مغیرہ میں کہرام برپا تھا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں رنج وغم سے نڈھال دیکھ کر فرمایا بنو مغیرہ کی عورتیں رونے میں معذور ہیں بشرطیکہ واویلا اور سینہ کوبی نہ کریں۔

لیکن جمہور اہلِ سیر کا بیان ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں حضرت عمرؓ سے مل کر حمص چلے گئے۔ اور وہیں وفات پائی۔ ان اہلِ سیر میں دوسروں کے علاوہ ابن عساکر، ابن اثیر، امام ذہبی اور علامہ عینی شارح بخاری شامل ہیں۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب اربابِ سیر میں ایسی عظیم شخصیت کی جائے وفات اور مدفن جیسے اہم معاملات میں اختلاف ہے۔ تو ان کی طرف منسوب قول میں لفظ "گدھا" کی حیثیت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے، یقیناً یہ کسی سبائی کا الحاق واضافہ معلوم ہوتا ہے۔

اسی اعتماد کا ایک کرشمہ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ:

جمہور اہلِ سیر و تاریخ بارہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کو تاریخ وفاتِ نبویؐ قرار دیتے ہیں یہ روایت واقدی اور ابن اسحاق سے مروی ہے۔ بعد میں آنے والوں نے ان ہی کی روایت پر اعتماد کر لیا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی بارہ ربیع الاول کے قول کو رد کرکے دو ربیع الاول کی تاریخ کو ترجیح دی ہے۔

(سیرت خاتم الانبیاءؐ ص ۱۴۴)

جبکہ دو ربیع الاول کی روایت کے راوی کلبی اور ابو مخنف ہیں اور یہ دونوں محدثین کے نزدیک کذاب ہیں۔ علاوہ ازیں دو ربیع الاول کو پیر کا دن صرف اس صورت میں آتا ہے جب محرم، صفر اور ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کے تینوں مہینوں کو ناقص یعنی انتیس ۲۹ انتیس ۲۹ دن کے تسلیم کر لیا جائے جو خلافِ واقعہ ہے۔ جبکہ محققین کے نزدیک یکم ربیع الاول سنہ ۱۱ھ تاریخ وفات ہے۔

(قصص القرآن ص ۵۱۷ ج ۴ مؤلفہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی)

اس عنوان پر راقم کا ایک مفصل مضمون ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی واکتوبر سنہ ۱۹۹۷ء اور ماہنامہ نقیب ختمِ نبوت ملتان جولائی سنہ ۱۹۹۷ء کے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے۔

اسی طرح جمہور علماء کرام کے نزدیک آیات قرآن کی تعداد چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) ہے۔ (علوم القرآن ص ۱۴۳ مؤلفہ علامہ شمس الحق افغانیؒ، ہفت روزہ خدام الدین قرآن نمبر جلد اول ص ۱۱۵، سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر جلد اول ص ۱۸۸، اسلامیات لازمی برائے انٹرمیڈیٹ کلاسز منظور شدہ برائے آل پاکستان ص ۱۱، ماہنامہ خلافتِ راشدہ ص ۳۳، اپریل سنہ ۱۹۹۷ء، ماہنامہ البلاغ کراچی ص ۴۳ ستمبر سنہ ۱۹۹۷ء)

البلاغ میں مولانا سحبان محمود صاحب کا خطبۂ جمعہ شائع ہوا جس میں حضرت موصوف نے نہ صرف آیات قرآن کی تعداد ۶۶۶۶ بتلائی بلکہ اپنی روحانی قوت سے جنت کے درجات کے متعلق بھی اعلان کر دیا کہ وہ بھی چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیں۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جو قرآن مجید مسلمانوں کے ہر گھر، ہر مدرسہ اور ہر مسجد میں موجود ہے اس میں تو آیات کی تعداد ۶۲۳۶ ہے۔ اس طرح دونوں قولوں میں چار سو تیس ۴۳۰ آیات کا فرق پایا جاتا ہے۔ اگر جمہور کا قول ۶۶۶۶ صحیح ہے تو پھر اس کے مطابق قرآن مجید کہاں ہے؟ موجودہ قرآن میں تو یہ تعداد نہیں پائی جاتی۔ پھر اس قرآن کی تصحیح کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یعنی ہر سورۃ کے شروع میں بھی آیات کی جو تعداد بتائی جاتی ہے اس کی تصحیح کی جائے۔ اور آیت

کے نشان کے طور پر جو گول دائرے بنائے گئے ہیں انہیں بھی اس فرق کے حساب سے تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹایا جائے۔ تاکہ ۲۳۴ آیات کی کمی پوری ہو سکے۔ اور اگر یہ کام مشکل اور پیچیدہ ہو تو پھر موجودہ قرآن کی مشمولہ آیات کی صحیح تعداد چھ ہزار دو سو چھتیس ۶۲۳۶ ہی تسلیم کر کے ۶۶۶۶ کے قول سے رجوع کر لیا جائے۔

اس عنوان پر بھی راقم الحروف کا مفصل مضمون ماہنامہ تسلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۹۷ء اور ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ستمبر ۹۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔

مذکورہ بالا چند حوالہ جات کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض اوقات بعض مسائل میں بزرگوں کی تحریر پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی تصدیق کر دی جاتی ہے۔ تو جناب مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کے مضمون کے بعض "تصدیق کنندگان" کے متعلق بھی یہ رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے موصوف کے قابلِ اعتراض حصے کو بنظرِ عمیق نہ دیکھا ہوگا۔

حضرت مفتی صاحب نے اپنے رسالے میں "حضرت عائشہؓ اور جنگ جمل" کے تحت از صفحہ نمبر ۳۵ تا صفحہ نمبر ۴۴ حضرت عائشہؓ کے جن افعال پر نکیر فرمائی ہے۔ اب اس کی حقیقت بھی ملاحظہ فرمالیں۔

کیا ام المومنینؓ کو خروج پر مجبور کیا گیا تھا؟

حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"دوسری تمام ازواجِ مطہرات نے تو بصرہ جانے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ ہم مدینہ منورہ کے سوا کہیں اور نہیں جائیں گے۔ لیکن حضرتِ عائشہؓ ان حضرات کی رائے سے متاثر ہو گئیں۔ اور بصرہ روانہ ہو گئیں۔"

(عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص۳۵)

موصوف کا جو مضمون اقرأ ڈائجسٹ میں شائع ہوا تھا اس کے الفاظ یہ تھے "لیکن حضرت عائشہؓ ان حضرات کی رائے سے مغلوب ہو گئیں اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ وغیرہ کے ساتھ بصرہ روانہ ہو گئیں۔"

(اقرأ ڈائجسٹ ص۲۱ جنوری فروری ۱۹۸۹ء)

جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ان کو اکابر صحابہؓ نے مادرِ مشفق کی حیثیت سے اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کیا۔ تاکہ ان کی لائق صد احترام شخصیت کی وجہ سے اصلاح احوال میں سہولت ہو" (اقرأ ڈائجسٹ ص۱۳ مارچ اپریل ۱۹۸۹ء)

اس عبارت سے تو یہ مفہوم نکلتا ہے کہ ام المومنینؓ کو خود اپنی رائے پر کوئی شرح صدر نہیں تھا۔ اور وہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور دیگر صحابہؓ کی رائے سے متأثر اور مغلوب ہو گئی تھیں۔ یا اکابر صحابہؓ نے انہیں اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کیا تھا۔ آں معظمہؓ کے متعلق یہ رائے ہرگز درست نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے سامنے بیعتِ رضوان کا منشا اور آیتِ رضوان کی روح موجود تھی اور حضرت عثمانؓ کی شہادت سے انہیں بہت ہی دکھ پہنچا تھا۔

علاوہ ازیں ان کے نزدیک یہ کوئی فرد واحد کا قتل ہی نہیں تھا بلکہ اس کے پس پردہ منافقین یہود اور مجوس کا ایک شر انگیز منصوبہ

تھا۔ جس سے اسلام کے بنیادی ادارے (خلافت) کے تقدس کو پامال کرنا تھا۔ لہٰذا حضرت عائشہؓ نے یہود و مجوس کے اس ناپاک منصوبے کو خاک میں ملانے کیلئے صحابہ کرامؓ کے موقف کو درست اور صحیح سمجھتے ہوئے برضا و رغبت اور پوری جرأت و بہادری کے ساتھ اس کی تائید و حمایت کی۔ اکابر صحابہؓ ام المومنینؓ کو مغلوب و مجبور کیونکر کر سکتے تھے؟ آں معظمہؓ کے علم و فضل کا اندازہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے اس قول سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ:

ما أشكل علينا أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم حديث قط فسألنا عائشة الا وجدنا عندها منه علماً (جامع ترمذی)

جب کبھی ہم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو ہم حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے اور ان کے پاس اس مسئلے کا علم پا لیتے۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ تو ابھی مدینہ منورہ میں ہی تھے کہ آں معظمہؓ کو اس مظلومانہ شہادت کی اطلاع اس وقت ملی جب وہ حج وغیرہ سے فارغ ہو کر مدینہ واپس تشریف لا رہی تھیں، چنانچہ شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عائشہؓ مکہ سے مدینہ واپس ہو رہی تھیں راستہ میں ان کے ایک عزیز ملے ان سے حالات دریافت کئے۔ تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ اور علیؓ خلیفہ منتخب ہو گئے لیکن ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے۔ یہ خبر سنکر پھر مکہ واپس ہو گئیں لوگوں نے واپسی کا سبب دریافت کیا

تو فرمایا کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیئے گئے۔ اور فتنہ دبتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اس لئے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو۔ اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ و فساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ان سے بھی وہاں کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے بھی شور و غوغا کی داستان سنائی۔ ان کے بیان سے حضرت عائشہؓ کے ارادوں میں اور تقویت ہو گئی۔ اور انہوں نے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعض سیاسی تسامح نے عام طور پر ملک میں بدنظمی پیدا کر دی تھی حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا ان کے اعداء کو اپنا معاون و انصار بنانا اور مسندِ خلافت پہ متمکن ہونے کے ساتھ تمام عمال کو برطرف کر دینا لوگوں کو بدظن کر دینے کیلئے کافی تھا۔ ان ہی بدگمانیوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کو بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص پر آمادہ کر دیا" (سیر الصحابیاتؓ حصہ اول صفحہ ۲۷)

تاریخ طبری کی ایک روایت کے مطابق ام المومنینؓ کو مکہ سے مدینہ روانہ ہونے کے بعد مقام "سرف" پر قتل عثمانؓ کی اطلاع ملی۔ تو آپ مکہ واپس تشریف لے گئیں۔ فرط غم سے آپ کچھ بھی نہ بولتی تھیں۔ نہ ہی آپ کے منہ سے کوئی لفظ نکل سکتا تھا۔" وھی لا تقول شیئاً ولا یخرج منھا شیٔ"۔

لوگوں نے جب واپسی کے متعلق استفسار کیا تو فرمایا ——— مختلف شہروں

کے فسادی لوگوں نے مل کر ظلم و عدوان سے حضرت عثمان رضؓ کو شہید کر دیا ہے
انہوں نے بلد حرام (مدینہ منورہ) اور شہر حرام کی حرمت کو پامال کیا، ناحق خون
ریزی کی اللہ کی قسم حضرت عثمان رضؓ کی ایک انگلی ان جیسے روئے زمین کے لوگوں
سے بہتر ہے ان سے نجات کی صورت یہ ہے کہ تم مل کر ان پر لوٹ پڑو۔

(تاریخ طبری ص۴۶۸ ج ۳)

ایک دوسری روایت کے مطابق ام المؤمنین رضؓ نے راستہ
سے مکہ واپسی کا قصد کرتے ہوئے فرمایا میرے خیال میں (مدینہ کا) انتظام درست
نہیں مجھے واپس لے چلو۔ چنانچہ آپ مکہ واپس لوٹ آئیں۔ اور فرمایا
آن عثمان رضؓ قتل مظلوماً وأن الامر لا یستقیم :.... "حضرت عثمان رضؓ مظلوم
شہید کئے گئے۔ اور امر خلافت صحیح نہیں فسادی عناصر کا غلبہ و اقتدار ہے لہذا
تم لوگ خونِ عثمان رضؓ کا قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ"۔ (حوالہ مذکور ص۴۶۹ ج ۳)

حضرت مفتی اعظم صاحب اور جناب مولانا لدھیانوی صاحب کے
مضمون سے تو یہ تاثر ملتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ صحابہ رضؓ کی رائے سے متاثر و مغلوب
ہو گئیں۔ اور انہوں نے آں معظمہ رضؓ کو اپنے ساتھ رہنے پہ مجبور کیا نیز جب ام
المؤمنین رضؓ نے بصرہ روانگی کے بعد" راستہ سے واپس ہونے کی کوشش کی لیکن
اس میں کامیاب نہ ہو سکیں"۔ (اقرأ ڈائجسٹ ص۱۳۰ مارچ اپریل ۱۹۸۹ء)

اس جملے میں جہاں ام المؤمنین رضؓ کی تنقیص و توہین پائی جاتی
ہے۔ وہاں اکابر صحابہ رضؓ پہ الزام عائد ہو رہا ہے کہ انہوں نے "جھوٹی شہادت"

حضرت عائشہ رضؓ کا اجتماعی معاملات میں دخل دینا۔

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ :

"اس کے باوجود چونکہ حضرت عائشہ رضؓ نے خواتین کے مسلمہ
دائرہ کار سے قدرے باہر نکل کر اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا ......"

(عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص۳۷)

حیرت ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے یہ توہین آمیز جملہ کیسے
لکھ دیا؟

ام المؤمنین رضؓ خواتین کے مسلمہ دائرہ کار سے باہر نکلیں یا نہیں
انہوں نے اجتماعی معاملات میں دخل دیا یا نہیں مگر یقیناً حضرت مفتی صاحب نے خود
اپنے انتہائی محدود دائرہ کار سے بہت آگے نکل کر ماں بیٹوں اور صحابہ کرام رضؓ کے
ذاتی حالات میں دخل دے دیا، کاش کہ موصوف اس موقع پر اپنے والد مرحوم
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی یہ تحریر ہی اپنے پیشِ نظر رکھ لیتے۔ :

"یہ جائز نہیں ہے کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی
طور پر غلطی منسوب کی جائے۔ اس لئے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل
میں اجتہاد سے کام لیا تھا۔ اور سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی۔ یہ سب
حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے کف
لسان کریں۔ اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقے پر کریں۔ کیونکہ صحابیت بڑی حرمت
کی چیز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ
خبر دی ہے کہ اللہ نے انہیں معاف کر رکھا ہے۔ اور ان سے راضی ہے۔ اس

کے علاوہ متعدد سندوں سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرمایا "ان طلحۃ شہید یمشی علی وجہ الارض" یعنی حضرت طلحہؓ روئے زمین پر چلنے والے شہید ہیں۔

اب اگر حضرت علیؓ کے خلاف حضرت طلحہؓ کا جنگ کیلئے نکلنا گناہ اور عصیان تھا تو اس جنگ میں مقتول ہو کر وہ ہرگز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے۔ اسی طرح اگر حضرت طلحہؓ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جاسکتا تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا کیونکہ شہادت تو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اطاعتِ ربانی میں قتل ہوا ہو...... حضرت حسن بصریؒ سے صحابہؓ کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہؓ موجود تھے اور ہم غائب وہ پورے حالات کو جانتے تھے ہم نہیں جانتے۔ جس معاملہ پر تمام صحابہؓ کا اتفاق ہے ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور جس معاملہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔

حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن بصریؒ نے فرمائی۔ ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے جن چیزوں میں دخل دیا ان سے وہ ہم سے کہیں بہتر طریقے پر واقف تھے۔ لہذا ہمارا کام یہی ہے کہ جس پر وہ تمام حضرات متفق ہوں اس کی پیروی کریں، اور جس میں ان کا اختلاف ہو اس میں خاموشی اختیار کریں، اور اپنی طرف سے کوئی نئی رائے پیدا نہ کریں ہمیں یقین ہے کہ ان سب نے اجتہاد سے کام لیا تھا۔ اور اللہ کی خوشنودی چاہی

تھی۔ اس لئے کہ دین کے معاملہ میں وہ سب حضرات شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔"

(مقام صحابہؓ ص ۹۲، ۹۵)

اس عبارت کی رو سے مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کے حضرت عائشہؓ پر اس الزام کی حیثیت کیا باقی رہ جاتی ہے کہ "انہوں نے اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا۔" بقول حضرت محاسبیؒ "انہوں نے جن چیزوں میں دخل دیا ان سے وہ ہم سے کہیں بہتر طریقے پر واقف تھے" جناب مفتی صاحب کا یہ مقام ہرگز نہیں ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کے بارے میں یہ "فتویٰ" دیں کہ انہوں نے اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا۔ پھر یہ توہین آمیز جملہ بھی موصوف کی اپنی نرالی ہی تحقیق ہے حضرت عائشہؓ کا مخالف فریق بھی یہ جسارت نہیں کرسکا کہ آں معظمہؓ پر اس قسم کا اعتراض کرے۔ بلکہ خود حضرت علیؓ بھی ایسا نہیں کرسکے۔

حضرت عائشہؓ کے سفر بصرہ کی کہانی حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

موصوف زیر عنوان "حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہؓ کا سفر بصرہ اور جنگ جمل کے واقعہ پر روافض کے ھفوات" لکھتے ہیں کہ:

"اوپر یہ بات وضاحت کے ساتھ آچکی ہے کہ آیت مذکورہ میں "وقرن فی بیوتکن" کا مفہوم خود قرآنی اشارات بلکہ تصریحات سے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اور آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ کے

اجماع سے یہ ثابت ہے کہ مواقع ضرورت اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جن میں حج و عمرہ وغیرہ دینی ضروریات شامل ہیں۔ سیدہ عائشہؓ اور ان کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ اور صفیہؓ یہ سب حج کیلئے تشریف لے گئی تھیں، وہاں حضرت عثمانِ غنیؓ کی شہادت اور بغاوت کے واقعات سنے تو سخت غمگین ہوئیں۔ اور مسلمانوں کے باہمی افتراق سے نظامِ مسلمین میں خلل اور فتنہ کا اندیشہ پریشان کئے ہوئے تھا۔ اسی حالت میں حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور نعمان بن بشیرؓ اور کعب بن عجرہؓ اور چند دوسرے صحابہ کرامؓ مدینہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے کیونکہ کیونکہ قاتلانِ عثمانؓ ان کے بھی قتل کے درپے تھے .... اسی لئے یہ لوگ جان بچا کر مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشورہ طلب کیا۔ حضرت صدیقہؓ نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ آپ لوگ اس وقت تک مدینہ منورہ نہ جائیں جب تک کہ باغی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گرد جمع ہیں۔ اور وہ ان سے قصاص لینے سے مزید فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں۔......

اور اس وقت قاتلانِ عثمانؓ اور مفسدین کی قوت و شوکت اور حضرت علیؓ کا ان پر حدِ شرعی جاری کرنے سے بے قابو ہونا نہج البلاغہ کی روایت سے واضح ہے۔ یاد رہے کہ نہج البلاغہ کو شیعہ حضرات مستند مانتے ہیں نہج البلاغہ میں ہے کہ "حضرت امیر سے ان کے بعض اصحاب و رفقاء نے خود کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو سزا دے دیں جنہوں نے عثمان غنیؓ پر حملہ کیا تو بہتر ہوگا اس پر حضرت امیر نے فرمایا کہ میرے بھائی

جو تم کہتے ہو مگر یہ کام کیسے ہو جبکہ مدینہ پہ یہی لوگ چھائے ہوئے ہیں۔ اور تمہارے غلام اور آس پاس کے اعراب بھی ان کے ساتھ لگ گئے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کی سزا کے احکام جاری کر دوں تو نافذ کس طرح ہوں گے.....

باہمی فتنوں اور جھگڑوں کے وقت جو صورتیں دنیا میں پیش آیا کرتی ہیں ان سے کوئی اہل بصیرت و تجربہ غافل نہیں ہو سکتا۔ یہاں بھی یہ صورت پیش آئی کہ مدینے سے آئے ہوئے صحابہ کرامؓ کی معیت میں حضرت صدیقہؓ کے سفر بصرہ کو منافقین اور مفسدین نے حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰؓ کے سامنے صورت بگاڑ کر اس طرح پیش کیا کہ یہ سب اس لئے بصرہ جا رہے ہیں کہ وہاں سے لشکر ساتھ لے کر آپ کا مقابلہ کریں اگر آپ امیر وقت ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اس فتنہ کو آگے بڑھنے سے پہلے وہیں جا کر روکیں۔ حضرت حسن و حسین و عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام نے اس رائے سے اختلاف بھی کیا اور مشورہ دیا کہ آپ ان کے مقابلہ پر لشکر کشی اس وقت تک نہ کریں جب تک صحیح حال معلوم نہ ہو جائے۔ مگر کثرت دوسری طرف رائے دینے والوں کی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی طرف مائل ہو کر لشکر کے ساتھ نکل آئے۔ اور یہ شریر اہلِ فتنہ و بغاوت بھی آپ کے ساتھ نکلے۔

جب یہ حضرات بصرہ کے قریب پہنچے تو حضرت قعقاعؓ کو ام المومنینؓ کے پاس دریافت حال کیلئے بھیجا۔ انہوں نے عرض کیا ام المومنینؓ آپ کے

یعنی میرے پیارے بیٹے میں اصلاح بین الناس کے ارادہ سے یہاں آئی ہوں۔ پھر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو بھی قعقاعؓ کی مجلس میں بلا لیا، قعقاعؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ قاتلانِ عثمانؓ پر حدِ شرعی جاری کرنے کے سوا ہم کچھ نہیں چاہتے۔ حضرت قعقاعؓ نے سمجھایا کہ یہ کام تو اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک مسلمانوں کی جماعت منظم اور مستحکم نہ ہو جائے اس لئے آپ حضرات پر لازم ہے کہ اس وقت آپ مصالحت کی صورت اختیار کر لیں،

ان بزرگوں نے اس کو تسلیم کیا حضرت قعقاعؓ نے جاکر امیر المومنینؓ کو اس کی اطلاع دیدی۔ وہ بھی بہت مسرور ہوئے اور مطمئن ہو گئے۔ اور سب لوگوں نے واپسی کا قصد کر لیا، اور تین روز اس میدان میں قیام اس حال میں رہا کہ کسی کو اس میں شک نہیں تھا کہ اب دونوں فریقوں میں مصالحت کا اعلان ہو جائے گا۔ اور چوتھے دن صبح کو یہ اعلان ہونے والا تھا اور حضرت امیر المومنینؓ کی ملاقات حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ ہونے والی تھی جس میں یہ قاتلانِ عثمان غنیؓ شریک نہیں تھے۔ یہ چیز ان لوگوں پر سخت گراں گذری اور انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ تم اول حضرت عائشہؓ کی جماعت میں پہنچ کر قتل و غارتگری شروع کر دو۔ تاکہ وہ اور ان کے ساتھی یہ سمجھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے عہد شکنی ہوئی۔ اور یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو کر حضرت علیؓ کے لشکر پر ٹوٹ پڑے، ان کی یہ شیطانی چال چل گئی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شامل ہونے والے مفسدین کی طرف سے جب حضرت صدیقہؓ کی جماعت پر حملہ ہو گیا تو وہ یہ سمجھنے میں معذور تھے کہ یہ حملہ امیر المومنینؓ

کے لشکر کی طرف سے ہوا ہے۔ اس کی جوابی کاروائی شروع ہو گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ ماجرا دیکھا تو قتال کے سوا چارہ نہ رہا اور جو حادثہ باہمی قتل و قتال کا پیش آنا تھا آگیا۔" (معارف القرآن ص ۱۳۸ ج ۷)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے خروج الی البصرہ کو فریق مخالف میں سے بھی کسی نے "اجتماعی معاملات میں دخل اندازی" سے تعبیر نہیں کیا بلکہ اسے جائز اور شرعی سمجھ کر آں معظمہؓ کے ساتھ گفت و شنید اور مذاکرات کا راستہ اختیار کیا۔

سیّدہ ام سلمہؓ کا خط :-

جناب مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی نے اپنے اس مؤقف کہ "حضرت عائشہؓ نے خواتین کے مسلمہ دائرہ کار سے قدرے باہر نکل کر اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا" کی تائید میں حضرت ام سلمہؓ کا ایک بڑا اثر انگیز خط پیش کیا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام سلمہ کی طرف سے ام المومنین عائشہ کے نام: میں آپ سے اس اللہ کی حمد کرتی ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اما بعد۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے درمیان ایک دروازہ ہیں۔ آپ وہ پردہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر ڈالا گیا ہے۔ قرآن نے آپ کے دامن کو سمیٹا ہے آپ اسے پھیلائیے نہیں اور آپ کی حرمت کی حفاظت کی ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ خواتین پر جہاد کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو وہ آپ کو

اس کی وصیت کرتے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو شہروں میں آگے بڑھنے سے روکا تھا؟ اس لئے کہ اگر دین کا ستون متزلزل ہونے لگے تو وہ عورتوں سے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس میں شگاف پڑنے لگے تو عورتوں سے اس کا جوڑ ممکن نہیں۔ عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں، دامنوں کو سمیٹیں اور چھوٹے قدموں سے چلیں۔ آپ جن صحراؤں میں ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ تک اپنی اونٹنی دوڑا رہی ہیں اگر وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے آجائیں تو آپ کے پاس ان سے کہنے کو کیا ہوگا؟ کل آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا ہے۔ اور میں قسم کھاتی ہوں کہ اگر مجھ سے کہا جائے کہ ام سلمہ! جنت میں چلی جاؤ تب بھی مجھے اس بات سے حیا آئے گی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حالت میں ملوں کہ جو پردہ آپ ﷺ نے مجھ پر ڈالا تھا اسے میں چاک کر چکی ہوں۔ لہذا آپ اسی کو اپنا پردہ بنائیے۔ اپنے گھر کی چار دیواری کو اپنا قلعہ سمجھیے کیونکہ جب تک آپ اپنے گھر میں رہیں گی اس امت کی سب سے بڑی خیر خواہ ہوں گی۔

(عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص ۳۷، ۳۸)

مناسب تو یہ تھا کہ حضرت مفتی صاحب خط میں موجود خامیوں نقائص اور اسقام کی نشاندہی کر کے امت کی صحیح سمت راہنمائی کرتے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی جانب سے فریضۂ دفاع انجام دیتے مگر افسوس کہ انہوں نے امت کو غلط رخ پر ڈالتے ہوئے خط کے متن کی مکمل تصدیق و تائید کر دی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے اس مکتوب کے ایک ایک لفظ سے دین کا وہ پاکیزہ مزاج ٹپک رہا ہے جس نے عورت کو حرمت و تقدیس کا اعلیٰ ترین مقام عطا فرمایا ہے اور جس کے آگے تمام سیاسی مناصب اور دنیوی شان و شوکت ہیچ ہے۔" (حوالہ مذکور ص ۳۹) پھر موصوف بیچارے قارئین کے اطمینان کیلئے خط کا مکمل عربی متن بایں الفاظ پیش کرتے ہیں "عربی عبارت یہ ہے" پھر عربی عبارت کے آخر میں بڑے زوردار الفاظ میں خط کے ماخذ کا ذکر کرتے ہیں کہ :

"العقد الفرید ص ۶۶ ج ۵، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ" گویا یہ کوئی صحیح بخاری کی شرح شریف ہے۔ اس کے باوجود اگر کسی قاری کو حوالے کے بارے میں شک واقع ہو جائے تو اس کا ازالہ یوں کرتے ہیں کہ "حضرت عائشہؓ نے بھی حضرت ام سلمہؓ کی کسی بات کا انکار نہیں کیا بلکہ ان کی نصیحت کو اصولی طور پر قبول فرمایا اور اس کی یہ کہہ کر قدردانی فرمائی کہ میں آپ کی نصیحت کو خوب قبول کرتی ہوں۔ اور آپ کے حق نصیحت سے اچھی طرح باخبر ہوں"

(حوالہ مذکور ص ۳۹)

اگر مفتی صاحب حوالہ نہ بھی دیتے تو ہمارے علماء کرام اور مفتیانِ عظام کے لئے خود ان کا اسم گرامی ہی کافی ضمانت تھا۔ اور شاید اس طرح ان کا بھرم بھی قائم رہ جاتا لیکن حوالہ دے کر انہوں نے ہم جیسوں کو صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور کر دیا۔ موصوف کے پیش کردہ ماخذ کے متعلق چند امور ہدیۂ قارئین ہیں۔ :

۱۔ مکہ مکرمہ میں کسی کتاب کا طبع ہو جانا اس کے مستند و معتبر اور بلند پایہ ہونے کی ہرگز دلیل نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی شخص محض مکی اور مدنی کی نسبت سے مستند و معتبر سمجھا جا سکتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں ایسی بہت سی کتب شائع ہوئی ہیں جو رطب و یابس کا مجموعہ ہیں خود حضرت مفتی صاحب کے ادارے "ادارۃ المعارف" اور "دارالاشاعت" کی مطبوعات بھی اس سقم سے خالی نہیں ہیں۔ جس کا مختصر ذکر پیچھے گذر چکا ہے۔

۲۔ کتاب "العقد الفرید" تفسیر، حدیث، فقہ یا تاریخ کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ادب اور ملح کی کتاب ہے جس میں بے سروپا قصے، کہانیاں، داستانیں اور افواہیں جمع کر دی گئی ہیں۔ لہٰذا اس کی داستانوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۳۔ "العقد الفرید" کا مؤلف جناب احمد بن محمد المعروف ابن عبدربہ ہے یہ شخص جوانی میں لہو و لعب کا رسیا اور گانے بجانے کا شوقین تھا۔ مؤرخین نے اس کے بارے میں کوئی تاریخی مواد ذکر نہیں کیا، جو اس کی اچھی صفات اور عادات پر دلالت کرتا ہو۔ اس نے بغیر تحقیق کے جو بات ملی اسے اپنی کتاب میں نقل کر دیا۔ اس نے اپنی کتاب میں جو واقعات اور روایات درج کی ہیں وہ ایک ادیب کی طرح واقعہ کو رنگین بنا کر اپنے مقصد کو مکمل کرنے کی خواہش میں درج کی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث اس نے تحریر کیں، ان میں صحیح، مردود، ضعیف، متواتر اور موضوع تک موجود ہیں۔ اور تاریخی واقعات، امتوں کے حالات اور بادشاہوں کی باتوں میں ایسی بہت سی روایات مذکور ہیں جو معروف، منکر، سچی اور جھوٹی سب خلط ملط ہیں۔ اور ایسی بھی کہ جن کا اول حصہ

آخری حصہ کی تردید کرتا ہے۔

۴۔ "العقد الفرید" کا مؤلف ابن عبدربہ رافضی اور شیعہ ہے۔ شیعہ مجتہد آقا بزرگ طہرانی نے اپنی کتاب میں اس کا تذکرہ کیا ہے کہ "ابو عمر احمد بن محمد المعروف ابن عبدربہ متوفی ۳۲۸ھ کی تصنیف "العقد الفرید" ہے۔ جو الحاج معتمد الدولہ فرہاد مرزا کے خزانہ (کتب خانہ) میں تھی ...... (الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ ص ۲۸۶/۱۵)

"العقد الفرید" کے متعلق قاضی ابن خلکان لکھتے ہیں کہ:

وھو من الکتب الممتعۃ حوی من کل شیء" یہ ان کتب میں سے ہے جن میں ہر قسم کی باتیں (صحیح و غلط اور رطب و یابس) جمع ہیں۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

یَدُلُّ مِن کلامہ علی التشیع فیہ۔ اس کا کلام اس کے شیعہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ (کشف الظنون جلد دوم ص ۱۱۴۹ تحت العقد الفرید)

مزید برآں "العقد الفرید" طبع جدید کے مقدمہ میں طالبین کی طرف سے اس بزرگ (ابن عبدربہ) کی پوزیشن بایں الفاظ واضح کی گئی ہے کہ:

وھو امیل الی التشیع۔ یعنی شیعہ مذہب کی طرف اس کا رجحان ہے

ایک ایسا شخص جو مجہول الحال ہو، گانے بجانے اور لہو و لعب کا رسیا ہو، رطب و یابس کا جمع کرنے والا ہو تو سب سے بڑھ کر وہ شیعہ بھی ہو تو سخت حیرت ہے کہ حضرت مفتی صاحب اس کی پیش کردہ روایت کو صحیح سمجھ کر حضرت عائشہؓ کے موقف کو غلط ثابت کرنے کیلئے اس سے استدلال کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے کہیں غلطی سے غلام حسین نجفی کی کتاب "بغاوتِ بنی امیہ" کا مطالعہ کیا ہے

جہاں یہ تحریر ہے کہ "اہلسنت کی معتبر کتاب العقد الفرید ذکر جمل"، تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب مخالفین بھی اسے اہلسنت کی معتبر کتاب مانتے ہیں تو ہم "سنی" کیوں نہ اسے مستند، معتبر اور بلند پایہ تسلیم کریں؟

نجفی ملعون نے اسی "العقد الفرید" سے حضرت ام سلمہؓ کا وہی خط (جسے مفتی صاحب نے اپنی کتاب کی زینت بنایا ہے) نقل کرکے حضرت عائشہؓ پر خوب تبرا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو لغاوت بنی امیہ ص۴۰۶ تا ص۴۱۲۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کی طرف منسوب یہ خط بالکل جعلی اور کسی یہودی و مجوسی کا گھڑا ہوا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے کب اور کہاں بیٹھ کر یہ خط لکھا تھا؟ یہ خط حضرت عائشہؓ تک پہنچانے والی کون ذات شریف تھی؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ جو خود بھی اس سال حج پر تشریف لائی ہوئی تھیں اور حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ روانہ ہو گئی تھیں اور حضرت عائشہؓ سفر بصرہ پر تشریف لے گئیں۔ پھر ان کے درمیان جنگ جمل کے اختتام تک کوئی رابطہ ہی نہیں ہوا۔ معلوم نہیں کہ حضرت مفتی صاحب کی نگاہ دور رس نے کس طرح اس وضعی اور جعلی خط کے ایک ایک لفظ سے دین کا پاکیزہ مزاج ٹپکتا ہوا دیکھ لیا؟ حالانکہ یہ خط اگر کسی سبائی کا گھڑا ہوا نہ بھی ہوتا تو بھی اس کے مضمون سے اس کے جعلی اور وضعی ہونے کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا تھا اس کے ایک ایک لفظ سے دین کا پاکیزہ مزاج نہیں ٹپک رہا بلکہ اس کے اکثر الفاظ سے رفض کی بدبو آ رہی ہے، شک کہ موصوف خط کے متن پر بنظر عمیق غور کر لیتے۔ اس پر روایتاً و درایتاً

نگاہ ڈال لیتے۔ اس کے رواۃ کی جامہ تلاشی لے لیتے۔ اور "العقد الفرید" کی اصلیت اور اس کے مؤلف کا عقیدہ و مسلک معلوم کر لیتے۔ تو وہ یقیناً حقیقت کو پا کر حضرت عائشہؓ کے اقدام کی یوں تغلیط نہ کرتے، خط میں بتایا گیا ہے کہ:

"اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ خواتین پر جہاد کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو وہ آپ کو اس کی وصیت کرتے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکو شہروں میں آگے بڑھنے سے روکا تھا؟"

یہ الفاظ ام سلمہؓ کے ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ خود نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کو جہاد میں اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا غزوہ احد میں شریک ہونا اور زخمیوں کو پانی پلانا صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث و سیر سے ثابت ہے، دیگر صحابیات بھی شریک ہوتی رہیں، خلفائے راشدین کے دور کی جنگوں کی تفصیلات میں متعدد پاکباز خواتین کے اسماء گرامی ملتے ہیں، خود حضرت ام سلمہؓ نے بھی غزوۂ خیبر میں شرکت فرمائی تھی۔ کیا حضرت ام سلمہؓ ان تمام واقعات اور حالات سے بے خبر تھیں؟ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ خط کسی سبائی اور رافضی کا تحریر کردہ ہے۔

خط کے جعلی ہونے کی ایک وجہ اس کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

"عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں ...... آپ جن صحراؤں میں ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ تک اپنی اونٹنی دوڑا رہی ہیں اگر وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے آ جائیں تو آپ کے پاس ان سے

کہنے کو کیا ہوگا؟ ...... اپنے گھر کی چار دیواری کو اپنا قلعہ سمجھیے کیونکہ جب تک آپ اپنے گھر میں رہیں گی اس امت کی سب سے بڑی خیر خواہ ہوں گی "۔ کیا حضرت ام سلمہ رضؓ ایسے الفاظ استعمال کر سکتی ہیں؟ کیا یہ احکام صرف حضرت عائشہؓ کے لئے نازل ہوئے تھے؟ جس آیت کے ذریعے ام المؤمنینؓ کا گھر سے باہر نکلنا ناجائز قرار دیا جا رہا ہے اس سے تو صرف سبائیوں نے استدلال کیا ہے۔ حالانکہ آیت میں واضح طور پر "تبرج جاھلیۃ" سے منع کیا گیا ہے۔ نہ کہ مطلق نکلنے سے۔ یعنی جاہلیت کی رسم کے مطابق زیب و زینت کے ساتھ بے حجابانہ گھروں سے باہر نکلنا منع ہوا ہے، مطلق نکلنا ہرگز منع نہیں ہے۔ اگر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے العیاذ باللہ "دین کے پاکیزہ مزاج" کے برعکس کوئی کام کیا ہے یا آیت کی خلاف ورزی کی ہے تو کیا دیگر ازواجِ مطہرات نے مختلف مواقع پر ایسی خلاف ورزی نہیں کی ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ازواج مطہرات کا حج اور عمرہ کیلئے تشریف لے جانا

۲۔ غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تشریف لے جانا،

۳۔ والدین اور اقرباؑ کی ملاقات کیلئے تشریف لے جانا،

۴۔ مریض کی عیادت کیلئے تشریف لے جانا،

۵۔ فوت شدہ عزیز کی تعزیت کیلئے تشریف لے جانا،

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات میں سے کسی کو ساتھ لے جانے کیلئے "قرعہ" ڈالتے تو جس زوجہ مطہرہ کا نام نکل آتا تو وہ ہمراہی کا شرف حاصل کر لیتیں۔

۷۔ آپ ﷺ کی بیماری کے وقت دیگر ازواج مطہرات کا اپنے گھروں سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے گھر آ کر آپ ﷺ کی عیادت کرنا۔

۸۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں ازواجِ مطہرات کو حج کیلئے روانہ کیا۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ان کے ساتھ بطور نگران بھیجا۔ اس صورت میں ازواجِ مطہرات نے یہ سفر کیا اور کسی صحابی نے اس فعل پر نکیر نہیں کی۔ لہذا اس فعل پہ "اجماع سکوتی" پایا گیا جو شرعاً جائز ہے (روح المعانی ص۱۲ ج ۲۲) اس سفر میں حضرت ام سلمہؓ بھی تشریف لے گئیں اگر گھروں سے مطلقاً خروج ناجائز ہوتا تو ان کیلئے خروج کیونکر ناجائز ہو گیا؟

9۔ شہادت عثمانؓ کے موقع پر حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت صفیہؓ اور حضرت ام سلمہؓ بھی حج کیلئے مکہ تشریف لے گئی تھیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ آیت "وقرن فی بیوتکن" کے تحت لکھتے ہیں کہ:

قرار بیوت سے مواقع ضرورت مستثنیٰ ہیں:۔ قرن فی بیوتکن۔ میں عورتوں پہ قرار فی البیوت واجب کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ عورتوں کیلئے گھر سے باہر نکلنا مطلقاً ممنوع اور حرام ہو، مگر اول تو خود اسی آیت وَلَا تَبَرَّجْنَ سے اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ مطلقاً خروج بضرورت ممنوع نہیں بلکہ وہ خروج ممنوع ہے جس میں زینت کا اظہار ہو۔ دوسرے سورۂ احزاب کی آیت جو آگے آ رہی ہے اس میں خود "يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ" کا حکم یہ بتلا رہا ہے کہ کسی درجہ میں عورتوں کیلئے گھر سے نکلنے کی اجازت بھی ہے۔ بشرطیکہ برقع وغیرہ [illegible]

اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواضع ضرورت کا اس حکم سے مستثنیٰ ہونا ایک حدیث میں واضح فرما دیا، جس میں ازواجِ مطہرات کو خطاب کر کے فرمایا "قَدْ اُذِنَ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَاجَتِكُنَّ"، رواہ مسلم، یعنی تمہارے لئے اس کی اجازت ہے کہ اپنی ضرورت کیلئے گھر سے نکلو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل آیت حجاب نازل ہونے کے بعد اس پر شاہد ہے کہ ضرورت کے مواقع میں عورتوں کو گھروں سے نکلنے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ حج و عمرہ کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ازواج مطہراتؓ کا جانا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اسی طرح بہت سے غزوات میں ساتھ جانا ثابت ہے۔ اور بہت سی روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ازواج مطہرات اپنے والدین وغیرہ سے ملاقات کیلئے اپنے گھروں سے نکلتی تھیں۔ اور عزیزوں کی بیمار پرسی اور تعزیت وغیرہ میں شرکت کرتی تھیں۔ اور عہدِ نبویؐ میں ان کو مساجد میں جانے کی بھی اجازت تھی.....

..... خلاصہ یہ کہ آیت وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ کے مفہوم سے باشاراتِ قرآن اور بعمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور باجماعِ صحابہ مواقع ضرورت مستثنیٰ ہیں جن میں عبادات حج وعمرہ بھی داخل ہیں اور ضروریاتِ طبعیہ والدین اور اپنے محارم کی زیارت، عیادت وغیرہ بھی، اسی طرح اگر کسی کے نفقہ اور ضروریاتِ زندگی کا کوئی اور سامان نہ ہو تو پردہ کے ساتھ محنت مزدوری کے لئے نکلنا بھی۔ البتہ مواقع ضرورت میں خروج کی شرط یہ ہے کہ اظہار زینت کے ساتھ نہ نکلیں بلکہ برقع یا جلباب (بڑی چادر) کے ساتھ نکلیں"۔

اس تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ کا اپنے گھروں سے نکلنا مطلقاً منع نہیں بلکہ کسی شرعی معاملہ اور دینی مصلحت کیلئے گھروں سے نکلنا شرعاً جائز ہے۔

حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے حضرت عائشہؓ کے متعلق یہ فتویٰ بھی صادر فرمایا کہ "انہوں نے خواتین کے مسلّمہ دائرہ کار سے قدرے باہر نکل کر اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا"۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عائشہؓ نے اجتماعی معاملات میں دخل دینے کیلئے یہ سفر اختیار کیا تھا؟ کیا آں معظمہؓ ان حالات وواقعات سے لاتعلق رہ سکتی تھیں؟ حیرت ہے کہ ایک طرف جناب مفتی صاحب یہ تسلیم بھی کرتے ہیں کہ:

"وہ صرف قرآنی حکم کے نفاذ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کیلئے نکلی تھیں .... حضرت عثمانؓ کے قصاص کے جائز مطالبے کی تقویت اور اس سلسلے میں مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے خالص دینی مقاصد آپ کے پیشِ نظر تھے"۔ (عودت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص ۳۷، ۴۴)

اور دوسری طرف کبھی آں معظمہؓ پر کتے جو نکالے جاتے ہیں کبھی ان کے خروج کو آیت کے منافی قرار دیا جاتا ہے، کبھی انہیں حدیثِ رسولؐ کا مخالف گردانا جاتا ہے، کبھی ان کی اونٹنی کو صحراؤں میں ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ تک دوڑایا جاتا ہے، کبھی انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پردہ چاک کرنے والی بتایا جاتا ہے، کبھی ان سے اس جعلی خط کا اقرار کرایا جاتا ہے، کبھی انہیں صحابہؓ کی زبانی گھر سے باہر کی محدود ذمہ داری کے اٹھانے سے

منع کیا جاتا ہے، کبھی مختلف فیہ اور اصاغر صحابہؓ سے انہیں تنبیہ کرائی جاتی ہے، کبھی انہیں بدعت کا مرتکب قرار دیا جاتا ہے، کبھی ان کے مقدس مشن کو ایک محدود سیاسی حیثیت کا حامل بتایا جاتا ہے، کبھی ان سے ندامت و شرمندگی کے آنسو بہائے جاتے ہیں، کبھی ان کی اپنی زبانی ان کے اقدام کی تغلیط کی جاتی ہے کبھی ان سے اس اقدام پہ معافی نامہ تیار کرایا جاتا ہے اور کبھی ان سے روضۂ اطہر میں تدفین کی خواہش سے رجوع کرایا جاتا ہے۔

جناب مفتی صاحب! جب حضرتِ عائشہؓ کا خروج قرآنی حکم کے نفاذ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کیلئے تھا تو پھر مذکورہ بالا فردِ جرم کس طبقہ کی رضا و خوشنودی کی خاطر عائد کی ہے؟ بیّنوا و توجروا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ سفر مبارک شرعی تقاضوں کے عین مطابق باپردہ، محارم کے ساتھ خالصتاً ایک دینی مصلحت یعنی اصلاح بین الناس اور مطالبۂ قصاص خلیفہ مظلوم کیلئے تھا، چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ومضت عائشۃ وھی تقول اللّٰھم انّک تعلم انی لا ارید الّا الاصلاح فاصلح بینھم۔"

(کتاب الثقات لابن حبان ص۲۸۰ ج ۲، تحت خروج عائشۃ الی البصرۃ)

۲۔ انما خرجت بقصد الاصلاح بین المسلمین..... وظنت ان فی خروجھا مصلحۃ للمسلمین۔" (المنتقیٰ للذھبی ص۲۲۲ تحت قولہٖ تقاتلین علیًا)

۳۔ فسارت معھم لقصد الاصلاح وانتظام الامور"

(روح المعانی ص۱۰ ج ۲۲، تحت آیت وقرن فی بیوتکن)

قارئین کرام! حضرت عائشہؓ کس قدر وضاحت کے ساتھ اعلان فرما رہی ہیں کہ اے اللہ تحقیق آپ جانتے ہیں کہ اصلاح بین المسلمین کے علاوہ اس سفر میں میرا اور کوئی ارادہ نہیں۔ آپ ان کے درمیان اصلاح کی کوئی صورت پیدا فرما دیجیئے۔

حضرت ام سلمہؓ ہرگز ایسے خروج سے منع نہیں فرما سکتی تھیں کیونکہ وہ اس خروج کی شرعی حیثیت سے پوری طرح آگاہ تھیں۔ بلکہ حضرت عائشہؓ کا یہ سفر کسی ذاتی مصلحت سے نہیں تھا بلکہ یہ قرآنی حکم کے نفاذ، اصلاحِ امت حفاظتِ دین اور فتنۂ سبائیت کے قلع قمع کیلئے تھا۔ اگر نفلی حج اور عمرہ کیلئے خروج جائز ہے (جس پر خود حضرت ام سلمہؓ بھی عمل پیرا رہیں)، تو مذکورہ بالا مقاصد کے تحت خروج بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ نے جن مقاصدِ حسنہ کے لئے سفر فرمایا تھا ان کا درجہ نفلی حج سے بدرجہا زائد اور بلند و برتر ہے اور ان کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ آں معظمہؓ اس حقیقت سے باخبر تھیں کہ وحشی بلوائیوں اور خون آشام سبائیوں کے اقدام قتلِ عثمانؓ سے امت میں فتنہ کا ایک دروازہ کھل گیا ہے اور خطرہ یہ تھا کہ آئندہ بھی غنڈے، فسادی عناصر اور اوباش لوگ جب چاہیں گے خلیفہ وقت کے خون سے ہاتھ رنگ کر شیرازۂ ملت کو منتشر اور نظم امت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیں گے۔ لہذا آں معظمہؓ نے اس خطرہ کو بھانپ کر اس فتنہ کے قلع قمع کیلئے بصرہ کا سفر اختیار فرمایا۔ افسوس کہ اس عظیم پاکیزہ اور مقدس مشن کو بد باطن سبائی معاندانہ غدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ "العقد الفرید" کے رافضی مؤلف ابن عبدربہ نے حضرت ام سلمہ رضؓ کی طرف جس خط کو منسوب کیا وہ بالکل جعلی، وضعی اور آں محترمہؓ پر افترا اور بہتان ہے۔ حیرت ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے رافضی مؤلف کی غیر مستند اور غیر معتبر کتاب کو معتبر اور مستند تسلیم کرتے ہوئے اپنا مستدل اور مآخذ قرار دے دیا۔ فیا اسفا!

حضرت موصوف سیدہ عائشہ رضؓ کے خروج پر نکیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"حضرت ام سلمہ رضؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ کرامؓ نے انہیں گھر سے باہر کی محدود ذمہ داری اٹھانے سے روکا۔ چنانچہ حضرت زید بن صوحانؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کو ایک خط میں لکھا سلام کے بعد۔ آپ کو ایک (کام) کا حکم دیا گیا ہے اور ہمیں دوسرے کام کا۔ آپکو حکم ہے کہ گھر میں قرار سے رہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ہم لوگوں سے اس وقت تک لڑیں جب تک فتنہ باقی رہے، آپ نے اپنے کام کو چھوڑ دیا ہے اور ہمیں اس کام سے روک رہی ہیں جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔" (عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص۷)

یہ خط بھی مفتی صاحب نے "العقد الفرید" ہی سے نقل کیا ہے اس کتاب اور اس کے مؤلف کا حدود اربعہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ تعجب ہے کہ مفتی صاحب حضرت عائشہ رضؓ کی تغلیط کیلئے رافضیوں اور سبائیوں کے اقوال ہی پیش کر رہے ہیں۔ کیا یہ اہلسنت کی وکالت اور ترجمانی ہے؟ موصوف کی اس تحریر سے جتنے حضرات غلط فہمی کا شکار ہوئے یا ہوں گے اس کی ذمہ داری کس پہ عائد ہو گی؟ کیا اس مضمون کے تصدیق کنندگان علماء کرام اور مفتیانِ عظام اس سے مستثنیٰ ہو سکیں گے؟

اگر بالفرض اس خط کا ناقل رافضی نہ بھی ہوتا تو پھر بھی یہ خط کسی دینی کتاب کی زینت بنانے کی بجائے ردی کی ٹوکری میں پھینک دینے کے قابل تھا حیرت ہے کہ مفتی صاحب نے ایسے توہین آمیز مواد پر مشتمل خط سے کیسے استدلال کر لیا؟ اس کے متعلق چند امور ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ یہ خط ایک غیر معتبر اور غیر مستند کتاب سے نقل کیا گیا۔

۲۔ اس کا مؤلف مجہول الحال، گانے بجانے کا رسیا، رطب و یابس کا جمع کرنے والا اور سب سے بڑھ کر شیعہ اور رافضی ہے۔

۳۔ اس کا مضمون حضرت عائشہ رضؓ پر تبرا سے بھرپور ہے۔

"ہمیں ایک کا حکم دیا گیا ہے اور آپکو دوسرے کام کا، آپکو حکم ہے کہ گھر میں قرار سے رہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ہم لوگوں سے اس وقت تک لڑیں جب تک فتنہ باقی رہے۔ آپ نے اپنے کام کو چھوڑ دیا اور ہمیں اس کام سے روک رہی ہیں جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے"

اس مضمون میں جو بدبو اور تعفن ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

۴۔ اس خط کا قالب و لہجہ بھی انتہائی گستاخانہ ہے۔ کیا ایک نیک، پارسا متقی اور مطیع بیٹا اپنی ماں سے یوں ہی مخاطب ہوا کرتا ہے؟ پھر ماں بھی وہ جس پہ کروڑوں جیسی مائیں قربان ہوں۔

۵۔ خط میں حضرت عائشہ رضؓ کو جس حکم کا پابند کیا جا رہا ہے اس کا وجود ہی کہاں ہے؟ جہاں تک آیت "وقرن فی بیوتکن" کا تعلق ہے تو اس پر پیچھے مفصل روشنی ڈالی جا چکی ہے، کہ اس کا اطلاق آں معظمہ رضؓ پر ہرگز نہیں ہوتا۔

۶۔ خط میں یہ کہا گیا ہے کہ "ہمیں حکم ہے کہ ہم لوگوں سے اس وقت تک لڑیں جب تک فتنہ باقی رہے" سوال یہ ہے کہ فتنہ وفساد کے بانی کون ہیں؟ اشرار ومفسدین کہاں ہیں؟ کن لوگوں کی وجہ سے حالات یہاں تک پہنچے ہیں؟ یقیناً فتنہ وفساد کے بانی وہی لوگ ہیں جن کے ناپاک ہاتھ خونِ عثمانؓ سے رنگین ہیں۔ اگر حضرت زید بن صوحان کو فتنہ ختم ہونے تک لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو پھر اس کی تعمیل میں رکاوٹ کس نے پیدا کی؟

حضرت عائشہؓ پر کتنا گھناؤنا الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ وہ فتنہ وفساد پھیلانے والوں کے خلاف لڑنے سے روک رہی ہیں۔ حالانکہ آں معظمہؓ کی دعوت ہی یہی ہے کہ "مختلف شہروں کے فسادی اور منافق لوگوں نے مل کر ظلم وعدوان سے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے۔ انہوں نے بلد حرام اور شہر حرام کی حرمت کو پامال کیا ہے، ناحق خون ریزی کی، ناجائز مال لوٹا، ان سے نجات کی صورت یہ ہے کہ تم مل کر ان پر ٹوٹ پڑو یہاں تک کہ ان کے حال زار سے دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں۔ اور ان کے بعد ایسے فعل کے ارتکاب سے لوگ دور بھاگیں۔۔۔۔۔۔ حضرت عثمانؓ ظلماً شہید کر دیئے گئے۔ فسادی عناصر کا غلبہ اور اقتدار ہے لہٰذا تم لوگ خونِ عثمانؓ کا قصاص لیکر اسلام کی عزت بچاؤ۔"

(تاریخ طبری ص۴۶۹ ج ۳)

حضرت مفتی صاحب خود ذرا انصاف سے فیصلہ فرمائیں "کہ کیا خط کا مضمون صحیح ہے؟ کیا اس خط سے حضرت عائشہؓ کی توہین نہیں ہوئی؟ کیا ایک رافضی کی کتاب سے ایسا مکروہ خط نقل کرنے کے قابل تھا؟

۷۔ موصوف دعویٰ یہ کر رہے ہیں کہ "بہت سے صحابہ کرامؓ نے انہیں گھر سے باہر کی اس محدود ذمہ داری اٹھانے سے روکا" اور اس کی تائید میں حضرت زید بن صوحان کا ایک خط شیعہ کی کتاب سے نقل کر رہے ہیں ـــــ یہ زید بن صوحان کون ہیں؟ حضرت عائشہؓ کے مقابلے میں ان کا مقام، مرتبہ اور حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ ام المؤمنینؓ کو ایسا خط لکھ سکتے تھے؟ کیا وہ ایسی جسارت اور ہمت کر سکتے تھے؟

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ زید بن صوحان کا شمار اصاغر صحابہؓ میں بھی نہیں ہوتا۔ ان کی صحابیت ہی مشکوک ہے۔

زید بن صوحان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمان ہوئے۔ محمد بن سائب کلبی نے حضرت علیؓ کے ہمراہیان جمل کے ناموں میں زید بن صوحان عبدی کو بھی بیان کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے اور آپؐ کے صحابی ہیں۔ ابوعمر نے کہا کہ میں ان کے صحابی ہونے سے واقف نہیں ہاں یہ نبیؐ کے عہد میں مسلمان ہو چکے تھے۔

ذکره محمد بن السائب الکلبی عن أشیاخه فی تسمية من شهداء الجمل وقال زید بن صوحان العبدی وکان قد أدرك النبي صلى الله عليه وسلم وصحبه هکذا قال ولا اعلم له صحبة ولكنه ممن ادرك النبي عليه الصلاة والسلام لسنة مسلماً۔۔۔۔۔۔ (الاستیعاب مع الاصابة ص۵۵۹ ج ۱، اسد الغابة تحت زید بن صوحان)

محمد بن سائب کلبی کی محدثین کے نزدیک جو حیثیت ہے۔ اس سے یقیناً جناب مفتی صاحب آگاہ ہوں گے۔ پھر ایسے شخص کی گواہی سے کس درجے کی

صحابیت ثابت ہو گی؟ پھر کیا ان کے خط سے ام المؤمنینؓ کے اقدام کی تغلیط کی جا سکتی ہے؟

اس خط سے بیٹے کا رویہ اور طرزِ عمل تو سامنے آگیا اب اِس بیٹے سے (جس نے نہ صرف ایسا توہین آمیز خط لکھا بلکہ تلوار لے کر مقابلے میں بھی آیا) اُس عظیم المرتبت ماں کا سلوک ملاحظہ فرمائیں:

ابنِ سیرین کہتے ہیں کہ خالد بن واشمہ جنگ جمل کے متصلاً بعد سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت کیا حضرت طلحہؓ کا کیا بنا؟ عرض کی وہ شہید ہو گئے۔ تو حضرت عائشہؓ نے ان پر ترجیع اور ترحم کے کلمات کہے۔ پھر پوچھا کہ زبیرؓ کا کیا ہوا؟ تو بتایا کہ وہ بھی شہید ہو گئے تو حضرت عائشہؓ نے پھر کلمہ ترجیع ادا فرمایا اور کلماتِ ترحم کہے۔ پھر میں نے کہا کہ (فریقِ مخالف سے) زید بن صوحان بھی قتل ہو گئے۔ تو حضرت عائشہؓ نے ان پر بھی کلمہ ترجیع ادا فرمایا اور کلماتِ ترحم کہے۔ بلکہ میں نے کہا اللہ کی قسم یہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اے خالد کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ کی رحمت وسیع ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(الاستیعاب مع الاصابۃ ص۵۶۱ ج ۱، اسد الغابۃ ص۳۹ ج ۴. دلائل النبوۃ للبیہقی ص۴۱۶ ج ۶، السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱۷۴ ج ۸، تحت قتل اھل البغی، المصنف لعبد الرزاق ص۲۸۹ ج ۱۱، البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ص۲۴۵ ج ۷، تحت واقعات لجنگ جمل)

اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت زید بن صوحان نے

جنگ جمل میں حضرت علیؓ کی طرف سے ایک سپاہی کی حیثیت سے شرکت کی تھی تو انہوں نے کس حیثیت میں ام المؤمنینؓ کو خط لکھا؟ ایک سپاہی براہ راست کس طرح یہ کام کر سکتا ہے؟

حضرت علیؓ نے زید بن صوحان کو نہ تو اپنا کاتب مقرر کیا اور نہ ہی مذاکرات کیلئے انہیں اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ حضرت قعقاعؓ کی نمائندگی کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے۔ کیا یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان سے ایسا خط لکھوایا تھا؟

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ زید بن صوحان خود میدان میں موجود تھے وہ براہ راست ام المؤمنینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی رائے اور تجویز پیش کر سکتے تھے تو انہوں نے خط کا سہارا کیوں لیا؟ یہ خط پہنچایا کس نے تھا؟

خط کے مضمون اور اس تمام کاروائی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے خط کی طرح یہ خط بھی وضعی اور جعلی ہے۔ اور اس سے مقصود حضرت عائشہؓ کی تنقیص و توہین ہے۔ معلوم نہیں کہ حضرت مفتی صاحب نے رافضیوں اور سبائیوں کے گھڑے ہوئے ان واقعات سے کیسے استدلال کر لیا؟ موصوف نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "حضرت عائشہؓ نے خواتین کے مسلمہ دائرہ کار سے قدرے باہر نکل کر اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا۔ اس لئے صحابہ کرامؓ اور خود دوسری امہات المؤمنینؓ کو آپ کا یہ اقدام پسند نہ آیا۔ اور متعدد صحابہؓ نے بھی آپ کو خطوط لکھے"

پھر اس دعویٰ کی تائید میں موصوف نے حضرت ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ اور حضرت زید بن صوحان کے خطوط پیش کئے جن کا تجزیہ اوپر ہو چکا ہے۔

موصوف کا یہ جملہ کہ "حضرت عائشہؓ نے اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا" نہایت ہی عجیب ہے۔ سبائی ام المؤمنینؓ سے اسی لئے ناراض ہیں کہ انہوں نے ہمارے معاملات میں دخل کیوں دیا؟ ہمیں کھل کر مزید کھیل کھیلنے کی اجازت کیوں نہیں دی؟ سبائیوں کی ناراضگی تو سمجھ میں آتی ہے لیکن مفتی صاحب کی ناراضگی اور ام المؤمنینؓ کے اقدام سے ناپسندیدگی بعید از فہم ہے۔

موصوف نے اپنے مؤقف یعنی حضرت عائشہؓ کے اقدام کی تغلیط میں حضرت ام سلمہؓ کی طرف منسوب ایک جعلی اور وضعی خط کا حوالہ دے کر یہ دعویٰ کر دیا کہ "دوسری امہات المؤمنینؓ کو آپ کا یہ اقدام پسند نہ آیا..." تو موصوف کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے نہ صرف حضرت عائشہؓ کے اقدام کی حمایت کی بلکہ اس خروج میں عملاً خود بھی شرکت کی خواہش مند تھیں مگر انہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کی اجازت نہیں دی تو حضرت حفصہؓ نے اس صورتِ حال سے حضرت عائشہؓ کو آگاہ کر دیا جب آں معظمہؓ کو حضرت عبداللہؓ کے حائل ہونے کی اطلاع ملی تو انہوں نے ان کی مغفرت کیلئے دعا کی۔

واردت حفصة الخروج فاتاها عبدالله بن عمر فطلب اليها ان تقعد فقعدت وبعثت الى عائشة ان عبد الله حال بيني وبين الخروج فقالت

يغفر الله لعبد الله۔ (تاریخ طبری صفحہ ۴۷۲ ج ۳)

اس سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کے مؤقف کی تائید کی تھی تو پھر مفتی صاحب کا یہ دعویٰ خود بخود غلط ہو گیا کہ امہات المومنینؓ نے حضرت عائشہؓ کے خروج پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا کیونکہ اس کی تائید میں انہوں نے صرف ام سلمہؓ کا خط پیش کیا تھا جس کا وضعی اور جعلی ہونا گذشتہ صفحات میں ثابت کر دیا گیا ہے۔ جبکہ حضرت حفصہؓ کی تائید سے حضرت عائشہؓ کو امہات المومنینؓ کی حمایت حاصل ہو گئی۔ تو پھر مفتی صاحب کے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ "خود دوسری امہات المؤمنین کو بھی آپ کا یہ اقدام پسند آیا" اسی لئے انہوں نے اس میں شرکت کرنے کی خواہش کا بھی اظہار کیا۔

جہاں تک مفتی صاحب کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت عائشہؓ کو خروج سے روکا تھا اس کی حقیقت اگرچہ پیچھے واضح کر دی گئی ہے۔ تاہم اس کا ایک دوسرا پہلو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے:

صحابہ کرامؓ کا کسی کام سے منع کرنا یا کسی کو کسی سفر سے روکنا اس کے مؤقف کے غلط ہونے کی دلیل ہرگز نہیں ہے۔ حضرت حسینؓ نے اہل کوفہ کی دعوت پر جب سفر کوفہ کی تیاریاں شروع کیں تو ہمدردوں اور خیر خواہوں نے اس خروج کو ناپسند کیا سب سے پہلے عمرو بن عبدالرحمٰن نے آ کر عرض کیا۔ میں نے سنا ہے آپ عراق جا رہے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ ایسے شہر جا رہے ہیں جہاں دوسرے کی حکومت ہے اور وہاں اس کے امراء و عمال موجود ہیں۔ اس لئے مجھے خوف ہے کہ جن لوگوں نے آپ سے مدد کا وعدہ کیا ہے وہی آپ سے لڑیں گے۔

______ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ آئے اور پوچھا لوگوں میں یہ خبر
گرم ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت حسینؓ نے جواب دیا ہاں
ان شاء اللہ ایک دو دن میں جاؤں گا۔ ابن عباسؓ نے کہا میں آپکو خدا کا واسطہ
دلاتا ہوں اس ارادہ سے باز آجائیں۔ ______ ابن عباسؓ کے بعد
ابن زبیرؓ آئے اور یہ تجویز پیش کی کہ آپ حجاز ہی میں رہ کر حصولِ خلافت کی کوشش
کریں ہم سب بیعت کر کے آپ کی مدد کریں گے اور آپ کے خیر خواہ رہیں گے۔ ـــ

______ اس کے دوسرے دن پھر ابن عباسؓ آئے اور کہا میرا دل نہیں مانتا صبر
کی صورت بنانا چاہتا ہوں مگر حقیقۃً صبر نہیں کر سکتا۔ مجھے اس راستہ میں آپ
کی ہلاکت کا خوف ہے۔ عراقیوں کی قوم فریبی ہے آپ ہرگز ان کے قریب نہ
جائیں اور مکہ ہی میں قیام کریں، حضرت ابن عباسؓ جب حضرت حسینؓ کے جواب
سے بالکل مایوس ہو چکے تو فرمایا اچھا اگر آپ ہر حال میں جانا ہی چاہتے
ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں مجھے خطرہ ہے کہ کہیں آپ بھی حضرت
عثمانؓ کی طرح اپنے بچوں اور عورتوں کے سامنے قتل نہ کر دیئے جائیں ______
پھر ابوبکر بن حارث نے آکر عرض کیا کہ عراقیوں نے آپ کے والدؓ اور آپ کے بھائی
کے ساتھ جو کچھ کیا وہ آپ کے سامنے ہے۔ ان تجربات کے بعد بھی آپ اپنے
والد کے دشمنوں کے پاس اس امید پہ جاتے ہیں کہ وہ آپ کا ساتھ دیں گے
ابوبکر بن حارث کا یہ پر زور اصرار بھی حضرت حسینؓ کے عزم راسخ کو بدل نہ سکا

______ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے خاص خاص ہوا خواہوں
نے روکنا چاہا لیکن قضائے الٰہی نہیں ٹل سکتی تھی۔

(سیر الصحابہ ص۱۶۶، ۱۶۸ ج ۶ مؤلفہ شاہ معین الدین ندوی)

اسی طرح خود حضرت علیؓ کو بھی صحابہ کرامؓ نے حضرت عائشہؓ کے
مقابلہ اور مدینہ سے باہر نکلنے سے منع کیا تھا۔ جب حضرت علیؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت
طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ بصرہ کی طرف چلے گئے ہیں تو انہوں نے بھی
بصرہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے ساتھ مخصوصین کے علاوہ قاتلین
عثمانؓ بھی روانہ ہو گئے مقام ربذہ میں جلیل القدر صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ بن
سلامؓ نے آپ کی سواری کی باگ تھام کر عرض کیا اے امیر المومنینؓ آپ مدینہ
طیبہ کی اقامت ترک نہ فرمائیں اگر آپ مدینہ طیبہ سے باہر چلے گئے تو پھر کبھی کوئی
خلیفۃ المسلمین اس کی طرف واپس نہیں آسکے گا۔ بعض لوگوں کو یہ بات
سخت ناگوار گزری اور ان کے ساتھ سخت کلامی کرنے لگے تو حضرت علیؓ نے
فرمایا دعوہ فنعم الرجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رہنے دیجئے یہ نبی اقدسؐ
کے اصحاب میں سے عمدہ آدمی ہیں یعنی از راہ نصیحت و خیر خواہی یہ کلام کیا ہے
کسی خود غرضی سے نہیں کیا۔ (البدایۃ والنہایۃ ص۲۳۳ ج ۷، الاصابہ ص۳۱۳
ج ۲ تحت عبداللہ بن سلامؓ، تاریخ طبری ص۴۷ ج ۵، تحت خروج علیؓ الی الربذہ)

شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ :

"حضرت علیؓ کی بیعت کے بعد جب حضرت عائشہ طلحہ و زبیر
رضوان اللہ علیہم حضرت عثمانؓ کے قصاص میں ان کے قاتلوں سے بدلہ لینے کیلئے
نکلے تو پھر حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مدینہ
لوٹ چلیئے اور کچھ دنوں کیلئے خانہ نشین ہو جائیے ......"

(سیر الصحابہؓ ص۱۶ ج ۶)

یہی نہیں بلکہ حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ کو بیعت خلافت لینے سے بھی روکا تھا پھر اہلِ شام کے ساتھ جنگ کے موقع پر بھی حضرت حسنؓ سامنے آئے اور عرض کیا۔ "یا ابت دع ھذا ....." "اے ابا جان آپ اس ارادہ کو ترک کر دیں۔ کیونکہ اس راہ میں مسلمانوں کا بڑا خون بہے گا اور ان کے درمیان اختلافات اور صف آرائی کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو جائے گا۔"

(البدایۃ والنہایۃ ص۲۲۹ ج ۷)

اگر صحابہ کرامؓ نے حضرت عائشہؓ کو گھر سے باہر کی محدود ذمہ داری کے اٹھانے سے منع کیا تھا جس کی بناء پر آں معظمہؓ کے اقدام کی تغلیط کی جاتی ہے تو کیا صحابہ کرامؓ نے حضرت حسینؓ اور خود حضرت علیؓ کو اس خروج سے منع نہیں کیا تھا؟ تو جناب مفتی اعظم صاحب اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی طرف جن خطوط کا حوالہ جناب مفتی صاحب نے دیا ہے وہ تو یقیناً سبائیوں کے وضع کردہ ہیں لیکن جن دیگر حضرات نے ایسا اقدام اٹھایا بھی ہے تو انہوں نے محض جذبۂ ہمدردی اور امت کی خیر خواہی کے پیشِ نظر انتہائی اخلاص کے ساتھ ایسا کیا ہے جسے کسی بھی فریق کی مذمت میں ہرگز پیش نہیں کیا جا سکتا

جناب مفتی صاحب بڑے زور شور اور تکرار کے ساتھ خروجِ عائشہؓ کی تغلیط میں آں معظمہؓ کا نادم و شرمندہ ہونا بیان کرتے ہیں:

"پھر بات یہیں ختم نہیں ہوتی خود حضرت عائشہؓ بعد میں

اپنے اس فعل پر انتہائی ندامت کا اظہار فرماتی رہیں ...... پھر جنگ جمل اور اس کے سفر پر حضرت عائشہؓ کی ندامت کا یہ عالم تھا کہ جب تلاوت قرآن کریم کے دوران وہ سورۂ احزاب کی اس آیت پر پہنچتیں جس میں اللہ تعالیٰ نے خواتین کو یہ حکم دیا ہے کہ "وقرن فی بیوتکن" اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو تو اس قدر روتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی اور ندامت کی انتہا یہ ہے کہ شروع میں آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن جنگ جمل کے بعد آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا ..." (عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص۴۱، ۴۲)

موصوف کا اندازِ بیان اور لب و لہجہ مزید کسی وضاحت کا محتاج نہیں انہوں نے بحوالہ طبقات ابن سعد آں معظمہؓ کی اوڑھنی بھی آنسوؤں سے تر کرا دی۔ ظاہر ہے کہ آں معظمہؓ نے اس واقعہ کے بعد صرف ایک مرتبہ ہی آیتِ مذکورہ کی تلاوت نہیں کی ہو گی۔ جنگ جمل ۳۶ھ میں ہوئی جبکہ آپ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی۔ معلوم نہیں کہ اس عرصہ میں آپ نے کتنی مرتبہ اس آیت کی تلاوت فرمائی ہو گی۔ موصوف کے مضمون سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جب بھی تلاوت کے دوران اس آیت پر پہنچتیں تو ان کا یہی حال ہوا کرتا تھا گویا جنگ جمل کے بعد بائیس ۲۲ سالہ زندگی میں بے شمار دفعہ ایسا ہوا ہو گا۔

طبقات ابنِ سعد میں محمد بن عمر واقدی کے حوالے سے یہ روایت موجود ہے واقدی کی شخصیت اور کردار کے قطع نظر روایت کا انداز ملاحظہ ہو:

"سننے والے نے حضرت عائشہؓ سے سنکر بیان کیا کہ جب

آپ آیت وقرن فی بیوتکن " اپنے اپنے گھروں میں جمی رہو۔ پڑھتیں تو اس قدر روتیں کہ آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے شرابور ہو جاتا۔"

(طبقات ابن سعد اردو ص۱۰۹ ج ۸)

اگر کبھی ام المؤمنینؓ نے طرفین کے نقصانات کی وجہ سے اظہارِ افسوس کیا بھی ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آں معظمہؓ اپنے موقف کو غلط جان کر اظہارِ تاسف کیا کرتی تھیں کاش موصوف اس آیت کے تحت "معارف القرآن" ہی سے راہنمائی حاصل کر لیتے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

"اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام المؤمنینؓ جب قرآن میں یہ آیت پڑھتیں "وقرن فی بیوتکن" تو رونے لگتیں۔ یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا آیت مذکورہ پڑھنے پر رونا اس لئے نہ تھا کہ قرار فی البیوت کی خلاف ورزی ان کے نزدیک گناہ تھی یا سفر ممنوع تھا بلکہ گھر سے نکلنے پر جو واقعہ ناگوار اور حادثہ شدیدہ پیش آگیا اس پر طبعی رنج وغم اس کا سبب تھا۔"

(معارف القرآن ص۱۳۸ ج ۷ تحت آیت وقرن فی بیوتکن)

اگر ندامت و شرمندگی یا اظہارِ تاسف موقف کے غلط ہونے کی دلیل بن سکتا ہے تو یہ ندامت اور اظہارِ تاسف خود حضرت علیؓ سے بھی ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں:

انّ علیاً قال یوم الجمل اللّٰھم لیس ھٰذا اردت اللّٰھم لیس ھٰذا اردت " (المصنف لابن ابی شیبۃ ص۲۷۵ ج ۱۵ کتاب الجمل)

حضرت علیؓ نے جمل کے دن فرمایا اے اللہ میرا ایسا ارادہ نہ تھا اے اللہ میرا ایسا (یعنی قتال کا) ارادہ نہ تھا۔

۲۔ قال علیؓ یوم الجمل وددت انی کنت مت قبل ھذا بعشرین سنۃ "

(المصنف لابن ابی شیبۃ ص۲۸۲ ج ۱۵)

حضرت علیؓ نے جمل کے دن فرمایا کاش کہ بیس سال قبل میرا انتقال ہو گیا ہوتا۔

۳۔ یا حسنؓ لوددت انی مت قبل ھذا بعشرین حجۃ " حوالہ مذکور ص۲۸۸ ج ۱۵)

اے حسنؓ کاش میں بیس سال قبل فوت ہو گیا ہوتا۔

۴۔ قال علیؓ یوم الجمل یا حسنؓ لیت اباک مات منذ عشرین سنۃ فقال لہ یا ابت قد کنت انھاک عن ھذا قال یا بنی انی لم ار ان الامر یبلغ ھٰذا۔ (البدایۃ والنھایۃ ص۲۴۰ ج ۷، کنز العمال ص۸۵ ج ۶ تحت واقعہ جمل)

حضرت علیؓ نے جمل کے دن فرمایا اے حسنؓ کاش تیرا باپ آج سے بیس سال قبل فوت ہو گیا ہوتا۔ تو حضرت حسنؓ نے ان سے کہا اے ابا جان میں نے تو آپ کو اس سے منع کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اے بیٹے میں نہیں جانتا تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:

"غرض مفسدین و مجرمین کی شرارت اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں ان دونوں مقدس گروہوں میں غیر شعوری طور پر قتال کا واقعہ پیش آگیا۔

اور جب فتنہ فرو ہوا تو دونوں ہی حضرات اس پر سخت غمگین ہوئے........ اسی طرح حضرت امیر المومنینؓ علی مرتضیٰ کو بھی اس واقعہ پر سخت صدمہ پیش آیا، فتنہ فرو ہونے کے بعد مقتولین کی لاشوں کو دیکھنے کیلئے تشریف لے گئے۔ تو اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر یہ فرماتے تھے کہ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر کر نسیاً منسیاً ہو گیا ہوتا"

(معارف القرآن ص۱۳۸ ج ۷)

جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ کی کیفیت یہ تھی کہ جب فریق مخالف کے مقتولین کے پاس سے گذرے تو فرمایا اے اللہ ان کی مغفرت فرما اور ان کو بخش دے۔

"مرّ علیؓ علیٰ قتلیٰ من اهل البصرة فقال اللّٰهم اغفر لهم"

(المصنف لابن ابی شیبة ص۲۸۴ ج ۱۵)

بلکہ حضرت علیؓ نے اس موقع پر قاتلین عثمانؓ کیلئے بد دعا بھی فرمائی

۱۔ قال علیؓ اللّٰهم اکبب قتلة عثمان لمناخرهم الغداة"

(التاریخ الکبیر لامام البخاری ص۳۴۳ ج ۴ قسم ثانی)

اے اللہ قاتلین عثمانؓ کو قیامت کے دن چہرہ کے بل اوندھا کر کے سزا دینا۔

۲۔ اللّٰهم احلل بقتلة عثمان خزیًا۔ (المصنف لابن ابی شیبة ص۲۷۷ ج ۱۵)

اے اللہ قاتلین عثمانؓ پر ذلت و رسوائی نازل کر۔

۳۔ "تبا لهم آخر الدهر" (البدایة والنهایة ص۱۹۳ ج ۷)

ہمیشہ ہمیشہ تک قاتلوں پر ہلاکت ہو۔

۴۔ وکان علیؓ یقول اللّٰهم العن قتلة عثمان فی البر والبحر والسهل والجبل"

(منهاج السنة جلد دوم)

اور حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے اے اللہ بحر و بر اور میدان اور پہاڑوں میں قاتلین عثمانؓ پر لعنت فرما۔

حضرت عائشہؓ کے بارے میں تو اس قدر فرمایا گیا تھا کہ ان کا دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔ اس اظہارِ تأسف سے مفتی صاحب نے یہ نتائج اخذ کئے کہ:

"پھر بات یہیں ختم نہیں ہوتی خود حضرت عائشہؓ بعد میں اپنے اس فعل پر انتہائی ندامت کا اظہار فرماتی رہیں...... پھر جنگ جمل اور اس کے سفر پر حضرت عائشہؓ کی ندامت کا یہ عالم تھا.... اور ندامت کی انتہا یہ ہے کہ...."

معلوم نہیں کہ مفتی صاحب کی نظر سے حضرت علیؓ کے بسلسلہ اظہار تأسف مذکورہ بالا کلمات گذرے تھے یا نہیں ــــــــ اگر حضرت عائشہؓ کے اظہار تأسف کو بتکرار ندامت و شرمندگی اور ان کے خروج کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے تو حضرت علیؓ کے کلمات تأسف کے بارے میں موصوف کا کیا "فتویٰ" ہوگا؟

در اصل اہل تشیع نے حضرت عائشہؓ پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ انہوں نے قصاص کی تحریک چلا کر اور بصرہ کا سفر اختیار کر کے غلطی کی تھی جس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد آں معظمہؓ اس قدر روتی تھیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا۔ جبکہ اہلسنت والجماعت اس رونے دھونے اور ہر دو حضرات کی طرف سے کلماتِ تأسف کو خشیتِ الٰہی اور تقویٰ پر محمول کرتے ہیں۔ اور فریقین مسلمانوں کے باہمی قتال اور افتراق بین المسلمین کی وجہ سے مضطرب

دپریشان ہوئے ۔ تعجب ہے کہ مفتی صاحب بالکل یکطرفہ طور پہ صرف حضرت عائشہ رضی کے کلمات تأسف کو بنیاد بنا کر ان کے اقدام اور خروج کی تغلیط کر رہے ہیں ۔ جو توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ " کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے۔

موصوف حضرت عائشہ رضی کی "ندامت کی انتہا" کے تحت ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ :

قیس بن ابی حازم راوی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی دل میں سوچتی تھیں کہ انہیں ان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے اب مجھے آپ ؐ کی دوسری ازواجِ مطہرات کے ساتھ دفن کرنا ۔ چنانچہ انہیں البقیع میں دفن کیا گیا ۔ (عودت کی موبراعی کی شرعی حیثیت صـ [۴۳])

موصوف نے مذکورہ حدیث بحوالہ مستدرک للحاکم بایں الفاظ پیش کی کہ : "ھذا حدیث صحیح علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذھبی" جبکہ مستدرک میں "علیٰ شرط الشیخین" کے بعد "ولم یخرجا" کے الفاظ بھی ہیں یعنی یہ حدیث شیخین کی شرط پہ صحیح ہے لیکن ان دونوں نے اس کی تخریج نہیں کی ۔ اس حدیث کی رو سے حضرت عائشہ رضی پر دو الزام عائد کئے گئے ہیں ۔

۱ ۔ جنگ جمل کی وجہ سے روضہ رسول ؐ میں تدفین کی خواہش ترک کرنا

۲ ۔ جنگ جمل دراصل ایک بدعت کا ارتکاب تھا ۔

اس حدیث کو شیخین کی شرط پہ صحیح قرار دیا گیا اور ذھبی نے اس کی موافقت کرتے ہوئے کہا کہ :

" بدعت سے حضرت عائشہ رضی کی مراد جنگ جمل میں ان کا جانا تھا اس لئے وہ اپنے اس عمل پر کلی طور سے نادم تھیں اور اس سے توبہ کر چکی تھیں ۔ (سیر اعلام النبلاء صـ [۱۹۳] ج ۲)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کی رو سے اہل تشیع نے حضرت عائشہ رضی پر طعن و تشنیع کی ہے انہیں جنگ جمل میں قصوروار بھی ٹھہرایا اور پھر آل مطہرہ رضی کو ایک بدعت کا مرتکب بھی قرار دے دیا ۔ جہاں تک حدیث کی صحت کا تعلق ہے تو وہ بوجوہ صحیح نہیں ہے ۔

۱ ۔ اس حدیث کے راوی قیس بن ابی حازم ہیں ۔ یہ وہی راوی ہیں جنہوں نے "حدیثِ حوأب" بیان کی ۔ پیچھے حدیثِ حوأب کے تحت راوی مذکور کے حالات گذر چکے ہیں ۔ کہ ان پر بعض محدثین نے تنقید بھی کی ہے ۔ اور ان کو ضعیف ، منکر الروایت اور ساقط الحدیث بھی کہا ہے ۔ ان کی عمر ایک سو سال سے متجاوز ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہ آخر میں سٹھیا گیے ۔ اور ان کی عقل جاتی رہی ۔ ابن المدینی نے بحوالہ یحیٰ بن سعید القطان انہیں منکر الروایت کہا ہے اس کے بعد یحیٰ ابن سعید نے ان کی بہت سی منکر روایات کا ذکر کیا ان میں سے ایک حدیث حوأب کے کتوں والی بھی ہے ۔ (تھذیب التھذیب صـ [۳۸۷] تحت قیس بن ابی حازم)

یہ حدیث خبر واحد غریب ہے شرح نخبۃ الفکر میں خبر واحد کے متعلق بتایا گیا ہے کہ لغۃً خبر واحد وہ ہے جسے ایک ہی شخص روایت کرے اور اصطلاحاً وہ ہے جس میں متواتر کی کل شرائط موجود نہ ہوں ۔ اخبار احاد مقبول بھی ہوتی ہیں اور مردود بھی ۔ اس لئے کہ ان کا واجب العمل ہونا ان کے راویوں کے حالات پر مبنی ہے

اگر راویوں میں قبولیت کے اوصاف موجود ہوں تو واجب العمل سمجھی جائیں گی۔ اور اگر ان میں اوصاف مردودیت کے موجود ہیں تو پھر متروک العمل سمجھی جائیں گی۔

زیر بحث حدیث کے راوی قیس بن ابی حازم میں مردودیت کے اوصاف موجود ہیں کیونکہ وہ ضعیف، سٹھیائے ہوئے، ساقط الحدیث اور منکر الروایت ہیں۔

۲۔ مفتی صاحب نے یہ حدیث مستدرک سے نقل کی ہے۔ جسے محمد بن عبداللہ نیشاپوری متوفی سنہ ۴۰۵ھ نے جمع کیا ہے امام حاکم کا مفصل ذکر پیچھے "حدیث حوأب" کے تحت گذر چکا ہے۔ وہاں دوبارہ ملاحظہ فرما لیں۔

ابن حجر العسقلانیؒ نے اس کی شیعیت کی تصریح کی ہے۔ (لسان المیزان ص۲۳۲ ج۵)

اسی طرح اہل التشیع کے نزدیک بھی حاکم شیعہ ہے۔ شیخ عباس قمی نے اسے شیعہ اکابرین میں سے تسلیم کرتے ہوئے اسے ان کی شریعت کا ستون قرار دیا ہے۔

الکنی والالقاب ص۱۷۰ ج۲، اعیان الشیعۃ ص۳۹۱ ج۹ مؤلفہ محسن الامین)

محترم جناب تقی عثمانی صاحب نے بھی اس قدر تسلیم کیا ہے کہ "بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ شیعہ تھے۔ لیکن محققین نے اس الزام کو ، رد کر دیا ہے"۔ البتہ اتنی بات کے موصوف بھی قائل ہیں کہ "نقد احادیث کے معاملہ میں امام حاکم بہت زیادہ متساہل مشہور ہیں۔ اسی لئے انہوں نے بہت سی ایسی احادیث کو علیٰ شرط الشیخین یا علیٰ شرط احدھما سمجھ کر اپنی کتاب میں درج کر لیا ہے۔ جو درحقیقت بہت ضعیف ہیں۔"

(درس ترمذی ج اول ص۴۸)

بہر حال اس سیرت و کردار کے حامل شخص کی مرویات جو حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کے خلاف ہوں ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔

۳۔ روایت میں (حضرت عائشہؓ کی جانب منسوب قول میں) یہ کہا گیا ہے کہ آں معظمہؓ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بدعت کا ارتکاب کیا تھا۔ جبکہ علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرامؓ کے افعال پر بدعت کا اطلاق درست نہیں ہے۔ بدعت شرعی کی حد صحابہؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے پھر وہ خود بدعت کا موضوع کیسے بن سکتے ہیں۔؟

علاوہ ازیں حضرت عائشہؓ کا اقدام اجتہاد پر مبنی تھا اور مجتہد فیہ امور بدعت کے دائرہ سے ہی خارج ہیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ علامہ برکویؒ کی کتاب "الطریقۃ المحمدیۃ" اور علامہ شاطبی کی کتاب "الاعتصام" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"اصل لغت میں بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں خواہ عبادات سے متعلق ہو یا عادات سے۔ اور اصطلاح شرع میں ہر ایسے نو ایجاد طریقہ عبادت کو بدعت کہتے ہیں جو زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو نہ فعلاً نہ صراحۃً نہ اشارۃً۔ جو عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ سے قولاً ثابت ہو یا اشارۃً وہ بھی بدعت نہیں ہو سکتی۔

(سنت و بدعت ص۱۱، ۱۲)

شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ :

"بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔"

(فوائد عثمانی ص ۷۱۸ الحدید آیت نمبر ۲۷)

مفتی اعظم جناب کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ :

"بدعت: ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو۔ یعنی قرآن مجید اور احادیث شریف میں اس کا ثبوت نہ ملے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں اس کا وجود نہ ہو۔"

(تعلیم الاسلام ص ۲۵ ج ۴)

اس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے اقدام پر بدعت کا اطلاق ہرگز نہیں کیا جا سکتا پھر اگر بالفرض صحابہ کرامؓ کے افعال پر بدعت کا اطلاق کیا بھی جا سکتا ہوتا تو پھر بھی حضرت عائشہؓ کے اقدام پر بدعت کا اطلاق کسی صورت میں بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آں معظمہؓ کا مؤقف اور اقدام قرآن مجید اور حدیث کے عین مطابق تھا۔ جیسے جناب مفتی محمد رفیع صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے کہ :

"حضرت عائشہؓ کا مقصد نہ کوئی سیاست تھی نہ حکومت نہ وہ جنگ کرنا چاہتی تھیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے جائز مطالبے کی تقویت اور اس سلسلے میں مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے خالص دینی مقاصد آپ کے پیش نظر تھے ...... وہ صرف ایک قرآنی حکم کے نفاذ اور مسلمانوں کے

کے درمیان مصالحت کیلئے نکلی تھیں۔"

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :

"ایسے شدید فتنہ کے وقت اصلاح بین المومنین کا کام جس قدر اہم دینی خدمت تھی وہ بھی ظاہر ہے۔ اس کیلئے اگر ام المومنینؓ نے بصرہ کا سفر محارم کے ساتھ اور پردہ کے آہنی ہودج میں اختیار فرما لیا تو اس کو جو شیعہ اور روافض نے ایک طوفان بنا کر پیش کیا ہے کہ ام المومنینؓ نے احکام قرآن کی خلاف ورزی کی۔ اس کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟"

(معارف القرآن جلد ہفتم ص ۱۳۶)

جب سفر شریعت کے مطابق ہو، محارم کے ساتھ ہو، باپردہ ہو، دینی مقاصد کے تحت ہو، اصلاح بین المومنین کی غرض سے ہو اور قرآنی حکم کے نفاذ کیلئے ہو تو ایسے سفر پر آج کے دور میں بھی بدعت کا اطلاق نہیں ہو سکتا تو حضرت عائشہؓ کے اقدام اور خروج پر بدعت کا اطلاق کیوں کر ہو سکتا ہے؟

[illegible] میں کہا گیا ہے کہ بدعت کے ارتکاب کی وجہ سے ام المومنینؓ نے یہ وصیت کی کہ مجھے روضۂ رسولؐ میں دفن نہ کیا جائے۔

تعجب ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی نے لفظ "بدعت" کو لفظ "جرم" کے ساتھ بدل دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :

"مرض الموت میں وصیت کی کہ اس حجرہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ مجھے دفن نہ کیجیو میں نے ایک جرم کیا ہے مجھ کو دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کرنا۔" (سیرت عائشہ صدیقہؓ ص ۱۶۸)

جب کوئی سنی اس خروج کو "بدعت" کہے کوئی اسے "جرم" قرار دے۔ اور کوئی آں معظمہؓ کے اس اقدام کی تغلیط کرے تو پھر اہل تشیع کیوں کر لحاظ کریں گے؟ چنانچہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

بوقت موت جنگ جمل کا عائشہ کے گلے میں پھنس جانا بی بی جی کے غلطی پہ ہونے کی ٹھوس دلیل ہے۔ بوقتِ موت جناب عائشہ بہت گھبرائیں۔ اور بے چین و بیقرار ہوئیں۔ پوچھا گیا اماں جی کیا بات ہے؟ بی بی جی فرمانے لگیں میرے حلق میں جنگ جمل کا دن اٹک اور پھنس گیا ہے جنگ جمل کا وقت موت بی بی جی کے گلے میں پھنس جانا اس بات کی ٹھوس دلیل ہے کہ یہ جنگ جناب عائشہ کی ایسی غلطی ہے جس کی معافی انہیں خدائے رحیم نے وقت موت تک نہیں دی......" (بغاوتِ بنوامیہ ص۳۴۳)

حضرت مفتی صاحب کے زیر بحث مضمون کا آخری اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"لیکن چونکہ ان کا شن فی الجملہ ایک محدود سیاسی حیثیت کا حامل تھا اس لئے صحابہ کرامؓ نے بھی اس کو پسند نہیں کیا اور وہ خود بھی انتہائی نادم ہوئیں یہاں تک کہ اس ندامت کی بناء پر روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تدفین کو بھی پسند نہیں فرمایا اب خود انصاف سے فیصلہ کر لیا جائے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے اپنے جس اقدام کو بالآخر خود غلط سمجھا، اس پر روتی رہیں اور اس پر ندامت کی وجہ سے تدفین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے سے بھی شرمائیں اس عمل سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟

(عودت کی سوبراجی کی شرعی حیثیت ص۴۴)

اینکہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب؟

اس فرد جرم کا جواب پیچھے گذر چکا ہے یہاں صرف تدفین کے متعلق اصل حقیقت پیش کی جاتی ہے:

یہ بات بالکل جھوٹ، غلط اور آں معظمہؓ پر اتہام ہے کہ انہوں نے اپنے اقدام کو بالآخر خود غلط سمجھا، وہ خروج کر کے بدعت کی مرتکب ہوئیں اور اسی ندامت کی وجہ سے وہ تدفین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے سے بھی شرمائیں۔ دشمنانِ ام المؤمنینؓ نے تدفین سے متعلق وصیت میں خوب رنگ بھرے کسی نے اسے "بدعت" کا نام دیا اور کسی نے اسے "جرم" سے تعبیر کیا۔ آئیے صحیح بخاری کی روشنی میں اس کی حقیقت معلوم کرتے ہیں:

۱۔ عن هشام عن ابيه عن عائشة انها اوصت عبد الله بن الزبير لا تدفنّي معهم وادفنّي مع صواحبي بالبقيع لا ازكّى به احد" (صحیح بخاری، کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبي صلى الله عليه وسلم وابي بكرؓ وعمرؓ)

ہشام بواسطہ اپنے والد حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کو وصیت کی مجھے ان لوگوں (نبی اکرمؐ، ابوبکرؓ و عمرؓ) کے ساتھ دفن نہ کرو بلکہ دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ بقیع میں دفن کرنا اس طرح میں ان سے برتری حاصل نہیں کر سکوں گی۔

۲۔ عن عائشة قالت لعبد الله ابن الزبير ادفنّي مع صواحبي ولا تدفنّي مع النبي صلى الله عليه وسلم في البيت فاني اكره ان ازكّى......

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب ما ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن زبیرؓ کو وصیت کی کہ مجھے دیگر ازواجِ مطہرات کے ساتھ ہی دفن کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن نہ کرنا کیونکہ میں یہ بات پسند نہیں کرتی کہ (ان کے مقابلے میں) مجھے کوئی برتر مقام دیا جائے یا میری تعریف کی جائے۔

۳۔ استاذن ابن عباس قبل موتها على عائشة وهي مغلوبة قالت اخشى ان يثنى على فقيل ابن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن وجوه المسلمين قال ائذنوا له فقال كيف تجدينك قالت بخير ان اتقيت قال فانت بخير ان شاء الله زوجة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ينكح بكرًا غيرك ونزل عذرك من السماء ودخل ابن الزبير خلافه فقالت دخل ابن عباس فاثنى على وددت انى كنت نسيًا منسيًا۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ نور، باب قولہ ولولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بہتان عظیم)

حضرت عائشہؓ کی طبیعت سخت خراب تھی۔ ابن عباسؓ نے برائے عیادت اجازت طلب کی لیکن حضرت عائشہؓ نے کچھ تامل کیا اس خوف سے کہ وہ میری تعریف کریں گے۔ کسی نے ان سے کہا یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور مسلمانوں میں ذی وجاہت ہیں تو فرمایا انہیں اجازت دے دو۔ ابن عباسؓ اندر آئے اور پوچھا آپ اپنے آپ کو کیسا پاتی ہیں انہوں نے جواب دیا کہ اگر مجھ میں تقویٰ ہے تو خیریت سے ہوں ابن عباسؓ نے کہا آپ انشاء اللہ خیر و عافیت

ہی میں رہیں گی۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں۔ آپ کے علاوہ کسی کنواری لڑکی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح نہیں کیا۔ آپ کی برأت آسمان سے اتری۔ اس کے بعد ابن زبیرؓ آئے تو حضرت عائشہؓ نے ان سے فرمایا کہ ابن عباسؓ آئے تھے انہوں نے میری تعریف کی مگر میں تو یہ چاہتی ہوں کہ میں گمنام اور بھولی بسری ہوتی۔

طبقات ابن سعد میں بھی اسی طرح کی چند باتیں ہیں جو بطورِ کسر نفسی آپؓ نے فرمائی تھیں۔:

۱۔ "جب حضرت عائشہؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمانے لگیں کاش میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی، کاش میں ایک درخت ہوتی کہ اللہ کی پاکی میں رطب اللسان رہتی۔ اور پوری طرح سے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتی"

۲۔ کاش میں درخت ہوتی، کاش میں مٹی کا ایک ڈھیلا ہوتی، کاش اللہ تعالےٰ مجھے پیدا نہ فرماتا"

۳۔ ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ کے پاس ان کی وفات سے قبل تشریف لے گئے اور ان کی اس طرح تعریف کی کہ: مژدہ ہو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ہیں اور آپؐ نے بجز تمہارے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا اور تمہاری برأت آسمان سے اتری۔ پھر حضرت ابن عباسؓ کے بعد ابن زبیرؓ تشریف لے آئے بولیں: ابن عباسؓ نے میری تعریف کی آج میں کسی سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتی۔ میری تو یہ تمنا ہے کہ میں بھولی بسری ہوتی....

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ نے فرمایا

ابنِ عباسؓ اپنی تعریفیں چھوڑو۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری تو یہ تمنا ہے کہ میں بھولی بسری ہوتی۔ ــــــ طبقات ابن سعد اردو صفحہ ۱۰۲، ۱۰۲)

طبقات ابن سعد اور صحیح بخاری کی مندرجہ بالا روایات میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا معنی جرم یا بدعت ہو (البتہ طبقات ہی میں قیس ابن ابی حازم والی روایت موجود ہے)

حضرت عائشہؓ تدفین کے متعلق وصیت اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کو کر رہی ہیں۔ جو موقع پر موجود ہیں۔ اور اسی وصیت کے مطابق تدفین بھی عمل میں آئی مگر تعجب ہے کہ ان لوگوں کی روایت معتبر نہیں سمجھی گئی جنہیں براہِ راست وصیت کی گئی جو موقع پر موجود تھے۔ جنہوں نے اسی وصیت پر باقاعدہ عمل کیا اور جن کی روایت کو امام بخاری نے "اصح الکتب" میں درج کیا۔

اس کے برعکس جو لوگ نہ موقع پر موجود تھے، نہ انہوں نے ان کی تدفین میں کوئی حصہ لیا تھا، بلکہ ضعیف، منکر الروایت، ساقط الحدیث اور متہم بالتشیع تھے۔ حیرت ہے کہ ان کی روایت پر اعتماد کر کے حضرت عائشہؓ پر فردِ جرم عائد کر دی گئی۔ ــــــ فیا اسفا ــــــ

صحیح بخاری کی روایات اور مستدرک کی روایت میں فرق ظاہر ہے۔ حدیث کے الفاظ "لا ازکی بہ ابداً" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کوئی جرم سرزد ہو گیا تھا جس کی بنا پر وہ روضہ رسولؐ میں دفن ہونے سے شرماتی تھیں۔ اور وہاں دفن ہونا ناپسند کرتی تھیں بلکہ اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ آں معظمہؓ دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ دفن ہونے کی خواہش

رکھتی تھیں۔ اور ان کے مقابلے میں اپنی برتری اور تعریف ہرگز پسند نہیں کرتی تھیں جو روضہ اطہر میں تدفین کی صورت میں انہیں حاصل ہوتی۔

لا ازکی بہ ابداً" کی وضاحت صحیح بخاری کی دوسری روایت سے ہو رہی ہے کہ "فانی اکرہ ان ازکی ....." میں یہ بات پسند نہیں کرتی کہ دیگر ازواج مطہرات کے مقابلے میں مجھے کوئی برتر مقام دیا جائے۔ یا میری تعریف کی جائے اسی مفہوم پر صحیح کی تیسری روایت سے مزید روشنی پڑتی ہے۔ کہ آں معظمہؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنی مدح و تعریف کے خوف سے عیادت کیلئے اجازت دینے میں تأمل کیا تھا پھر ابن عباسؓ کے جانے کے بعد انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اس کا اظہار بھی کر دیا تھا کہ ابن عباسؓ آئے انہوں نے میری تعریف کی مگر میں تو یہ چاہتی ہوں کہ میں معدوم محض ہوتی۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق فرمایا اے کاش میں پتھر ہوتی، اے کاش میں کسی جنگل کی جڑی بوٹی ہوتی ــــــ یہ سب کچھ کسی "جرم" یا "بدعت" کے مرتکب ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ خشیت الٰہی، عاجزی، انکساری اور بطور تواضع تھا۔ علامہ ابن حجر العسقلانی "لا ازکی بہ ابداً" کے تحت لکھتے ہیں کہ:

ای لا یثنیٰ علیّ بسببہ، ویجعل لی بذلک مزیۃ وفضل وانا فی نفس الامر یحتمل ان لا اکون کذلک وھذا منھا علیٰ سبیل التواضع وھضم النفس (فتح الباری صفحہ ۲۵۸ ج ۳، کتاب الجنائز تحت الحدیث)

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ قصاص عثمانؓ کی خاطر حضرت عائشہؓ کا اقدام صحیح ... شرعی احکام کے مطابق اور "خواتین کے مسلہ

دائرہ کار" کے بالکل اندر تھا۔

اس اقدام کو غلط ثابت کرنے کیلئے جناب مفتی صاحب نے جن روایات کا سہارا لیا وہ روایتاً اور درایتاً غلط ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا دامن ان الزامات اور اتہامات سے بالکل پاک ہے۔ اور اگر بالفرض حدیثِ حوأب صحیح ہے تو پھر اس کی مصداق حضرت عائشہؓ ہرگز نہیں بلکہ ام زمل سلمیٰ ہے جو عہدِ رسالت مآبؐ میں گرفتار ہو کر آں معظمہؓ کے حصے میں آئی جسے ام المؤمنینؓ نے آزاد کر دیا تھا۔ بعد میں اس نے ارتداد اختیار کر کے حوأب کے مقام پر اپنے جتھے کو مضبوط کیا پھر لشکرِ اسلام کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے منطقی انجام کو پہنچی۔ اس کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالی گئیں اونٹنی گری اور ام زمل ساتھیوں کے ہمراہ مقتول ہو گئی۔ (تاریخ طبری ص۸۲ ج ۱، معجم البلدان لیاقوت الحموی ص۳۱۴ ج ۲، تاریخ ابن خلدون ص۲۳۹ ج ۱، زرقانی شرح مواہب ص۲۴۸ ج ۷، تاریخ اسلام از اکبر شاہ خان نجیب آبادی ص۲۳۹ ج ۱)

اللہ تعالےٰ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے۔ غلطیوں اور خطاؤں کو معاف فرمائے۔ ہم سبکو جملہ صحابہ کرامؓ اور اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً سیدہ کائنات، فخر اہلبیت افضل نساء العٰلمین، معفرہ، محدّثہ، فقیہہ، معلمہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا (متوفی ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ) کے بارے میں سوء ظنی اور بدگمانی سے بچا کر حسن ظن نصیب فرمائے (آمین)

ان ارید الّا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الّا باللہ۔

ربّنا تقبّل منّا انّک انت السمیع العلیم وتب علینا انّک انت التوّاب الرّحیم

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم اے

خطیب

مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہؓ چوک

حویلیاں ہزارہ

۱۵ رجادی الاخریٰ سنہ ۱۴۱۸ھ الموافق ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۹۹۷ء

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی، ایم، اے

کا ایک منفرد، تاریخی، تحقیقی اور علمی شاہکار

اہلبیتِ رسول صلعم کون؟

ضخامت
۳۶۸ - صفحات

اس کتاب میں قرآن، حدیث، لغت اور مفسرین کرام کی تشریحات سے ثابت کیا گیا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اصطلاحِ اہلبیت کی اصلاً اور حقیقتاً مصداق ہیں، بلکہ ان پر "آل رسول صلعم" اور "عترت رسول صلعم" کی اصطلاحات کا بھی بدرجہ اولی اطلاق ہوتا ہے۔

مزید برآں ازواج مطہرات کے خلاف یہودیوں، سبائیوں، رافضیوں اور اہلسنت کا روپ دھار کر رفض پھیلانے والے مذہبی بہروپیوں کی مسموم اور گھناؤنی سازشوں کو طشت از بام کر کے مقامِ اہلبیت کو مجروح کرنے والے سبائی ایجنٹوں اور رافضی گماشتوں کے مکروہ کردار کی نقاب کشائی کے ساتھ ساتھ

ایمانِ ابوطالب

پر ایک جامع بحث بھی شامل کی گئی ہے۔

قیمت -/۵۷ روپے

قاضی حسن پیر الہاشمی رح اکیڈمی مرکزی جامع مسجد سیدنا امیر معاویہ رض چوک حویلیاں ہزارہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی

چند ایمان افروز علمی و تحقیقی کتب

- اصلاح معاشرہ
- تحقیق نکاح سیدہ
- اہلبیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون؟
- فرقۂ مسعودیہ نام نہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ
- تعارفِ حضرت معاویہؓ
- تذکرۂ حضرت معاویہؓ
- حضرت معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ
- حدیثِ حوأب کا مصداق کون؟

قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی
مرکزی جامع مسجد
سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں ہزارہ